لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (۲۸)

قابیل کے ارادۂ قتل کے مقابل میں ہابیل کا مومنانہ رویہ

'بسط ید' کے معنی ہاتھ بڑھانے اور دست درازی کرنے کے ہیں۔ یہاں بارادۂ قتل ہاتھ بڑھانے کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کے معنی اقدامِ قتل کے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم جیسا کہ دھمکی دے رہے ہو، میرے قتل کے لیے اقدام کرنا چاہتے ہو تو میں یہ فرض کر کے کہ تم میرے قتل کے درپے ہو، تمہارے قتل کے لیے پہل کرنے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں جس نے مجھ کو اور تم کو دونوں کو پیدا کیا ہے، اور جس نے ایک دوسرے کے جان و مال کے احترام کی ہدایت فرمائی ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں کھلے ہوئے دینی دشمن کے ساتھ میدانِ جنگ میں مقابلے کی صورت نہیں بلکہ بھائی اور بھائی کا معاملہ ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔ اس صورت میں صحیح مومنانہ رویہ یہی ہے کہ آدمی یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا کوئی بھائی اس کے قتل کے درپے ہے اس کے قتل کے لیے پہل نہ کرے۔ لیکن "پہل نہ کرے" یہ نہیں کہ اپنا بچاؤ بھی نہ کرے۔ ہابیل نے پہل کرنے کی نفی کی ہے، بچاؤ کی نفی نہیں کی ہے۔ اپنی جان یا اپنے مال کی مدافعت کرنا خوفِ خدا کے منافی بات نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک شخص اگر مجھ سے میرا مال چھیننا چاہتا ہے تو میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ ارشاد ہوا اس کو خدا کا خوف دلاؤ۔ سائل نے کہا، اگر وہ خدا کا خوف نہ مانے، ارشاد ہوا اپنے گرد و پیش کے مسلمانوں سے اس کے مقابلے کے لیے مدد چاہو۔ سائل نے کہا اگر میرے گرد و پیش ایسے لوگ نہ ہوں۔ ارشاد ہوا پھر حکومت سے مدد چاہو۔ سائل نے کہا اگر حکومت کے ذمہ دار بھی دور ہوں۔ ارشاد ہوا اپنے مال کی حفاظت کے لیے لڑو تا آنکہ اپنے مال کو بچا لو یا شہید ہو جاؤ۔

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ (۲۹)

'باثمی و اثمک' کا مفہوم

'باثمی و اثمک' دونوں میں مضاف محذوف ہے یعنی میں تمہارے قتل میں پہل اس لیے نہیں کرنا چاہتا کہ میں کوئی بارِ گناہ اپنے سر لیے ہوئے اپنے رب کی طرف پلٹنا نہیں چاہتا۔ اگر تم اس جرم کے لیے پہل کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو میرے قتل کا بارِ گناہ بھی تمہارے سر ہوگا اور میری طرف سے مدافعت کے نتیجے میں اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا یا تم قتل ہو گئے تو اس کا بارِ گناہ بھی تمہارے ہی سر ہوگا، اس لیے کہ اس کا سبب میں نہیں بلکہ تم ہو گے۔ یہ اس اصولِ عدل کی طرف اشارہ ہے جو ایک حدیث میں 'فعلی البادی مالم یعتد المظلوم' کے الفاظ سے بیان ہوا ہے یعنی اگر مظلوم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے تو جو کچھ اسے اپنی عزت کی حفاظت کے لیے کرنا پڑے اس کا بارِ گناہ پہل کرنے والے پر ہے۔ 'باثمی' کے ساتھ 'باثمک' مماثلت کے اس اصول پر فرمایا ہے جو عربی زبان میں نہایت معروف ہے مثلاً دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوا، یا جزاء سیئۃٍ سیئۃٌ مثلها۔

فَتَكُونَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِينَ، قتل مومن، جب کہ عمداً ہو کی سزا جہنم ہے۔ اس مسئلے پر سورۂ نساء کی آیت ۹۳ کے تحت تفصیل سے ہم لکھ چکے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کی سزا ابتدا سے شریعت الٰہی میں یہی معروف ہے۔

قتل مومن کی سزا جہنم

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهٗ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِينَ ۝ (۳۰-۳۱)

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ أَخِيهِ، کے معنی ہوں گے اس کے نفس نے اس کو بالآخر اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر ہی لیا۔ اس اسلوب بیان سے اس اندرونی کشمکش کا اظہار ہو رہا ہے جو اول اول اس ارادۂ قتل سے اس کے اندر پیدا ہوئی۔ انسان کے اندر قدرت نے ایک نفس لوّامہ ودیعت فرمایا ہے جو اس وقت تک کسی ارادۂ جرم کے خلاف احتجاج کرتا ہے جب تک مختلف تاویلوں اور بہانوں سے آدمی اس کی زبان بند نہ کر دے۔ قابیل کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا لیکن بالآخر اس کے حسد نے اس کو اس ہولناک جرم پر آمادہ کر ہی لیا۔ ابتداءً ہر جرم کو یہ جھجک پیش آتی ہے لیکن جب وہ جرم پر جرم کیے چلا جاتا ہے تو اس کا نفس لوّامہ یا بالفاظ دیگر اس کا ضمیر بالکل مردہ ہو جاتا ہے اور وہ جرائم کے لیے بالکل بے باک ہو جاتا ہے۔

قابیل کی نامرادی

فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِينَ، میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کی ہر کشمکش انسان کے سامنے آزمائش کا ایک میدان کھولتی ہے جس میں اس کے لیے نامرادی اور فتحمندی دونوں کا امکان موجود ہوتا ہے اگر انسان اس کشمکش میں اپنے نفس کو زیر کر لے تو وہ فتحمند رہتا ہے اور اس کا نفس شکست کھا جاتا ہے اور اگر نفس اس کو زیر کر لے تو اس کا نفس فتحمند رہتا ہے اور وہ خود نامراد ہو جاتا ہے۔ قابیل پر اس کا نفس غالب آ گیا اس وجہ سے وہ نامراد ہوا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا الآیۃ۔ قتل کے بعد قابیل نے، معلوم ہوتا ہے، اپنے بھائی کی لاش یوں ہی پڑی چھوڑ دی تھی، اس کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اتنے میں ایک کوّا نمودار ہوا۔ کوّا بڑا سیانا ہوتا ہے اس کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی کھانے کی چیز اچکتا ہے اور بروقت اس کو کھانا نہیں چاہتا تو زمین کرید کر یا کسی چیز کے نیچے اس کو ضرورت کے وقت کے لیے چھپا رکھتا ہے۔ اس کوّے نے بھی قابیل کے سامنے یہی نمائش کی اور اس طرح گویا اس کو رہنمائی دی کہ وہ بھی اسی طرح اپنے بھائی کی لاش چھپا دے کہ دوسروں کی نظر نہ پڑے اور اس کا جرم افشا نہ ہو۔ کوّے کے اس سیانے پن کو دیکھ کر قابیل نے اپنا سر پیٹ لیا کہ ہائے میری بدبختی کہ میں کوّے سے بھی گیا گزرا ثابت ہوا کہ یہ تدبیر مجھے نہ سوجھی کہ میں بھی اسی طرح بھائی کی لاش کو ڈھانک دیتا۔ چنانچہ اپنی اس بے وقوفی پر اس کو بڑی ندامت ہوئی۔

شیطان کوّے کے بھیس میں

قرآن نے اس ٹکڑے سے یہ نمایاں کیا ہے کہ جو خدا سے نہیں ڈرتے وہ خلق سے ڈرتے اور جو خدا کے حکم

اور ضمیر کی آواز کی پروا نہیں کرتے وہ کوّے سے الہام حاصل کرتے اور جرم کرنے کے بعد اعتراف اور ندامت کے بجائے اس کو چھپانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ کوا شیطان کی مثال ہے۔ شیطان نے پہلے تو قابیل کے نفس کے اندر وسوسہ اندازی کر کے اس کو بھائی کے قتل پر آمادہ کیا اور جب وہ یہ جرم کر گزرا تو کوّے کے واسطے سے اس کو جرم کے چھپانے کی تدبیر سجھائی اور اس طرح اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی جو قسم اس نے کھائی تھی اس کی تکمیل کی راہ میں ایک نہایت کامیاب قدم اس نے اٹھایا۔

ایک سنت الٰہی

یہاں کوّے کو بھیجنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جو فرمائی ہے یہ درحقیقت اس سنت اللہ کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے جس کے تحت یہ فعل ظہور میں آیا۔ اس کی متعدد مثالیں پچھلے صفحات میں بیان ہو چکی ہیں۔ وہ سنت اللہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی آیات، اس کے احکام اور اس کی تنبیہات سے اپنے کان اور اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتا ہے جو اس کا ساتھی بن کر اس کو اس کی خواہشات کی وادیوں میں ٹھوکر کھلاتا پھرتا ہے۔ سورۂ زخرف میں اس سنت اللہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (۳۶) (جو خدائے رحمان کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کا شب و روز کا ساتھی بن جاتا ہے) سورۂ فصلت میں ہے۔ وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (پس ہم نے ان کے لیے بُرے ساتھی مقرر کر دیے جنھوں نے ان کے پیش و عقب کو خوب مزین کر کے دکھایا) اور یہ گزر چکا ہے کہ ہابیل نے قابیل کو بڑی مؤثر اور دل نشین نصیحتیں بھی کیں اور اپنے قول کی صداقت روزِ روشن کی طرح ثابت بھی کر دی لیکن اس کا دل ذرا نہ پسیجا۔ ایک ایسے سنگدل کا خدا کی مذکورہ سنت کی زد میں آجانا ایک امر بدیہی ہے۔

عام طور پر مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ کوّا قابیل کو یہ بتانے کے لیے آیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح دفن کرے۔ وہ مدتوں اپنے بھائی کی لاش اپنی کمر پر لادے لادے پھرا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ اس کو کیا کرے۔ بالآخر جب لاش سڑ گئی تب خدا نے ایک کوّے کو بھیجا جس نے ایک دوسرے کوّے کو قتل کر کے زمین میں دفنایا تب قابیل کو بھائی کی لاش ٹھکانے لگانے کا طریقہ معلوم ہوا۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کے بعد اس عجیب و غریب بات کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

۱۲- آگے کا مضمون —— آیات ۳۲-۳۴

تعاونِ تمدن کی بنیاد

آگے فرمایا کہ چونکہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے ایک ایسی مخلوق ہے جس کے اندر ہابیل جیسے خدا ترس اور حق و عدل پر قائم رہنے والے بھی ہیں اور قابیل جیسے سنگ دل اور خونی بھی۔ اس وجہ سے

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی شریعت میں قصاص کو ایک جماعتی فرض قرار دیا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ٹھہرے گا۔ پھر اس قانون کی تجدید و یاد دہانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اپنے نبی و رسول بھی بھیجے لیکن اس سارے اہتمام کی بنی اسرائیل نے کوئی پروا نہ کی بلکہ وہ برابر قابیل کی سنت بد کی پیروی میں خدا کی زمین میں فساد و خون ریزی برپا کیے جا رہے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کی سزا بیان کی ہے جو ایک اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے اس کے قانون عدل و قسط کو درہم برہم کرنے اور ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، عام اس سے کہ یہ کوشش نام کے مسلمانوں کی طرف سے ہو یا غیر مسلموں کی طرف سے، علانیہ ہو یا در پردہ سازشوں کی شکل میں، جتھ بندی کر کے ہو، یا گنڈا گردی کی شکل میں۔ جو مفسدانہ سرگرمی بھی ملک کے سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی نظام کے لیے خطرہ بن جائے اور اس سے قانون اور نظم کا مسئلہ پیدا ہو جائے اس کے استیصال اور اس کے مجرموں کی سرکوبی کے لیے حکومت کے ارباب حل و عقد کو وسیع اختیارات دیے گئے ہیں تاکہ قیام عدل کا جو فریضہ ان پر عائد ہوتا ہے وہ اس سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

رکوع (النبی) صلی اللہ علیہ وسلم
آیات ۳۲-۳۴

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ؗ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ ع

۵ ع ۹

ترجمۂ آیات ۳۲-۳۴

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کیا کہ جس کسی نے کسی کو قتل کیا بغیر

اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا ملک میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے سب کو قتل کیا اور جس نے اس کو بچایا تو گویا سب کو بچایا اور ہمارے رسول ان کے پاس واضح احکام لے کر آئے لیکن اس کے باوجود ان میں بہت سے ہیں جو زیادتیاں کرتے ہیں۔ ۳۲

ان لوگوں کی سزا، جو اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے باہر نکال دیے جائیں۔ یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ایک عذاب عظیم ہے مگر جو لوگ تمہارے قابو پانے سے پہلے ہی توبہ کر لیں تو سمجھ لو کہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔ ۳۳-۳۴

۱۲۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (۳۲)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کا مفہوم

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعینہٖ یہ واقعہ حکم قصاص کی فرضیت کا باعث ہوا۔ یہ واقعہ تو جیسا کہ واضح ہوا، بنی اسرائیل کی تاریخ سے بہت پہلے کا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جان کے بدلے جان کا قانون، کچھ بنی اسرائیل کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہ قانون ہر ملت میں ابتدا سے موجود رہا ہے۔ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں بھی یہ قانون موجود تھا۔ حضرت نوحؑ اور ان کی ذریت کو اس باب میں جو ہدایت ہوئی تھی وہ تورات میں یوں مذکور ہے۔

آدمی کی جان کا بدلہ آدمی سے اور اس کے بھائی بند سے لوں گا۔ جو آدمی کا خون کرے گا اس کا

خون آدمی سے ہوگا۔ کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ پیدائش باب ۹۔ ۵۔ ۶

اس وجہ سے یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ بعینہٖ یہ واقعہ بنی اسرائیل پر حکم قصاص کے وجوب کا باعث ہوا۔ یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہاں مقصود حکم قصاص کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ بنی اسرائیل اللہ کے میثاق کے معاملے میں اتنے جری اور بے باک ہیں کہ یہ جاننے کے باوجود کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کی حفاظت سب کی حفاظت ہے، برابر خدا کی زمین میں فساد برپا کیے چلے جا رہے ہیں۔ یہی روش ان کی پہلے بھی رہی اور یہی روش ان کی آج بھی ہے۔

اس روشنی میں مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کا اشارہ نفس واقعہ کی طرف نہیں بلکہ شر و فساد کی اس ذہنیت کی طرف ہوگا جس کا قابیل نے اظہار کیا اور جس کا اظہار ان لوگوں کی طرف سے برابر ہوتا رہتا ہے جو اس کی سنت بد کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی کینہ، جذبات اور شیطانی محرکات کے تحت اللہ کے بندوں کا خون بہاتے ہیں اور پھر اعتراف و اقرار اور توبہ و ندامت کے بجائے اپنی ساری ذہانت اس جرم کو چھپانے میں صرف کرتے ہیں۔ ان کو اپنے جرم پر افسوس بھی ہوتا ہے تو اس پہلو سے نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھوں خدا کے بندوں کا سب سے بڑا حق تلف ہوا بلکہ جرم پوشی کی تدبیریں اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو اس پر انھیں افسوس ہوتا ہے۔

قانونِ قصاص کی حکمت و علّت

"اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا" یہ اس اصل حکم کا بیان نہیں ہے جو قصاص کے باب میں یہود کو دیا گیا۔ بلکہ اس کی دلیل اور اس کی حکمت و علت بیان ہوئی ہے۔ "جان کے بدلے جان" کا قانون تورات میں بھی ہے اور اس کا حوالہ اس سورہ میں بھی آگے آ رہا ہے۔ یہاں چونکہ مقصود یہود کی شرارت و شقاوت کو نمایاں کرنا ہے اس وجہ سے قانون قصاص کا اصل فلسفہ بیان فرمایا کہ یہود پر قتل نفس کی سنگینی واضح کرنے کے لیے ان کو یہ حکم اس تصریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ٹھہرے گا لیکن پھر بھی وہ قتل اور فساد فی الارض کے معاملے میں بالکل بے باک ہو گئے۔

قانونِ قصاص کی ذمہ داریاں

جو ملت قانون قصاص کی حامل اس فلسفہ کے ساتھ بنائی گئی ہو جس کا ذکر اوپر ہوا، اس پر چند ذمہ داریاں لازماً عاید ہوتی ہیں جس کی طرف ہم یہاں اشارہ کریں گے۔

ہر فرد قوم پر

ایک یہ کہ ہر حادثۂ قتل پوری قوم میں ایک ہلچل پیدا کر دے۔ جب تک اس کا قصاص نہ لے لیا جائے ہر شخص یہ محسوس کرے کہ وہ اس تحفظ سے محروم ہو گیا ہے جو اس کو اب تک حاصل تھا۔ قانون ہی سب کا محافظ ہوتا ہے۔ اگر قانون ہدم ہو گیا تو صرف مقتول ہی قتل نہیں ہوا بلکہ ہر شخص قتل کی زد میں ہے۔

دوسری یہ کہ قاتل کا کھوج لگانا صرف مقتول کے وارثوں ہی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ پوری جماعت کی ذمہ داری ہے، اس لیے کہ قاتل نے صرف مقتول ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ سب کو قتل کیا ہے۔

تیسری یہ کہ کوئی شخص اگر کسی کو خطرے میں دیکھے تو اس کو پرایا جھگڑا سمجھ کر نظر انداز کرنا اس کے

لیے جائز نہیں ہے بلکہ اس کی حفاظت و حمایت تا بہ حد مقدور اس کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ اس کے لیے اسے خود جوکھم برداشت کرنی پڑے۔ اس لیے کہ جو شخص کسی مظلوم کی حمایت و مدافعت میں سینہ سپر ہوتا ہے وہ صرف مظلوم ہی کی حمایت میں سینہ سپر نہیں ہوتا بلکہ تمام خلق کی حمایت میں سینہ سپر ہوتا ہے جس میں وہ خود بھی شامل ہے۔

چوتھی یہ کہ اگر کوئی شخص کسی قتل کو چھپاتا ہے یا قاتل کے حق میں جھوٹی گواہی دیتا ہے یا قاتل کا ضامن بنتا ہے، یا قاتل کو پناہ دیتا ہے، یا قاتل کی دانستہ وکالت کرتا ہے یا دانستہ اس کو جرم سے بری کرتا ہے وہ گویا خود اپنے اور اپنے باپ، بھائی، بیٹے کے قاتل کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے کیونکہ ایک کا قاتل سب کا قاتل ہے۔

پانچویں یہ کہ کسی مقتول کے قصاص کے معاملے میں مقتول کے وارثوں یا حکام کی مدد کرنا بھی درحقیقت مقتول کو زندگی بخشنا ہے اسی لیے کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ قصاص میں زندگی ہے۔

ہم نے یہ اس اصول سے برآمد ہونے والی چند موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مزید غور کیجیے تو اس کی مزید حکمتیں واضح ہوں گی۔ پھر کس قدر قابلِ ماتم ہے اس قوم کا حال جو اس اصول سے باخبر ہوتے ہوئے قتل و خوں ریزی اور فساد فی الارض میں بالکل بے باک ہو گئی۔

قانون کے ساتھ قانون کے لانے والوں کا اہتمام

'وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ'۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو یہ فرض بتا دینے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اتمامِ حجت کے لیے برابر ان کے اندر خدا کے رسول بھی آتے رہے جو نہایت واضح احکام و ہدایات اور نہایت بلیغ اور پر زور تعلیمات و تنبیہات کے ذریعے سے ان کو جگاتے اور جھنجھوڑتے رہے کہ اللہ کے عہد و میثاق کی ذمہ داریوں سے یہ غافل نہ ہو جائیں لیکن اس سارے اہتمام کے باوجود یہ برابر خدا کی زمین میں مختلف قسم کی زیادتیوں کے مرتکب ہوتے رہے۔

'افساد' اور 'اسراف' کا مفہوم

'افساد فی الارض' اور 'اسراف فی الارض' دونوں میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ زمین کا امن اور نظم اس قانون عدل و قسط پر منحصر ہے جو خدا نے اس کے لیے اتارا ہے۔ جس طرح کائنات کے نظامِ تکوینی میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو سارا نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے، اسی طرح اگر اس نظامِ تشریعی میں، جو اس کے خالق نے اس کے لیے پسند فرمایا ہے، کوئی خلل پیدا کر دیا جائے تو اس کا اجتماعی و معاشرتی اور سیاسی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، پھر نہ تو نظامِ تکوینی کے ساتھ اس کے نظامِ سیاسی کی ہم آہنگی ہی باقی رہ جاتی ہے اور نہ اس کے نظامِ اجتماعی و سیاسی میں ہی کوئی ربط قائم رہ جاتا ہے۔ اسی صورتِ حال کو یہاں افساد اور اسراف سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس اصولی حقیقت کے ساتھ ساتھ اس تاریخی حقیقت کو یاد رکھنا بھی یہاں ضروری ہے جس کا تجربہ ان آیات کے نزول کے زمانے میں مسلسل مسلمانوں کو یہود کی طرف سے ہو رہا تھا۔ یہود کے متعدد قبائل مثلاً بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع مدینہ کے حوالی میں آباد تھے۔ انھوں نے یوں تو مسلمانوں کے ساتھ امن و صلح اور

باہمی حمایت و مدافعت کے معاہدے کر رکھے تھے لیکن ایک دن بھی انھوں نے ان معاہدوں کا کوئی احترام نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور مدینہ سے ان کے قدم اکھاڑ دینے کی سازشیں کرتے رہے۔ قریش نے مسلمانوں پر جتنے بھی حملے کیے سب میں درپردہ یہود شریک رہے۔ انصار اور مہاجرین کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کی بھی انھوں نے بارہا کوشش کی۔ صحابہؓ بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی بھی انھوں نے بارہا تدبیریں کیں۔ اگرچہ ان کی یہ چالیں بیشتر ناکام رہیں لیکن متعدد نہایت اندوہناک واقعات پیش بھی آئے۔ عورتوں اور بچوں کے اغوا اور قتل میں بھی یہ نہایت شاطر اور سنگ دل تھے۔ مسلمانوں کو ہر وقت یہود کی طرف سے اپنی جان اور عزت کے معاملے میں کھٹکا لگا رہتا تھا۔ حد یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو وہ کسی قضیے کے طے کرانے اور کسی معاملے پر گفتگو کرنے کے لیے بلاتے تھے ان کے بھی ہلاک کرنے کی سازش پہلے سے تیار کر رکھتے۔ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ، میں اس ساری صورت حال کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳۳-۳۴)

محاربہ کا مفہوم

'یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا' اللہ اور رسول سے محاربہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ یا جتھہ جرأت و جسارت، ڈھٹائی اور بیباکی کے ساتھ اس نظام حق و عدل کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے جو اللہ اور رسول نے قائم فرمایا ہے۔ اس طرح کی کوشش اگر بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہو تو اس کے مقابلے کے لیے جنگ و جہاد کے احکام تفصیل کے ساتھ الگ بیان ہوئے ہیں۔ یہاں بیرونی دشمنوں کے بجائے اسلامی حکومت کے ان اندرونی دشمنوں کی سرکوبی کے لیے تعزیرات کا ضابطہ بیان ہو رہا ہے جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوتے ہوئے، عام اس سے کہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم، اس کے قانون اور نظم کو چیلنج کریں۔ قانون کی خلاف ورزی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ کسی شخص سے کوئی جرم صادر ہو جائے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ شریعت کے عام ضابطہ حدود و تعزیرات کے تحت کارروائی کی جائے گی، دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کی کوشش کرے۔ اپنے شر و فساد سے علاقے کے امن و نظم کو درہم برہم کر دے، لوگ اس کے ہاتھوں اپنی جان، مال، عزت، آبرو کی طرف سے ہر وقت خطرے میں مبتلا رہیں۔ قتل، ڈکیتی، رہزنی، آتش زنی، اغوا، زنا، تخریب، تہریب اور اس نوع کے سنگین جرائم حکومت کے لیے لا اور آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دیں۔ ایسے حالات سے نمٹنے کے لیے عام ضابطہ حدود و تعزیرات کے بجائے اسلامی حکومت مندرجہ ذیل اقدامات کرنے کی مجاز ہے۔

'اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا' یہ کہ فساد فی الارض کے یہ مجرمین قتل کر دیے جائیں۔ یہاں لفظ قتل کے بجائے تقتیل

محاربین کے لیے ضابطۂ تعزیرات

باب تفعیل سے استعمال ہوا ہے۔ باب تفعیل معنی کی شدت اور کثرت پر دلیل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تقتیل شر تقتیل کے معنی پر دلیل ہوگا۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ ان کو عبرت انگیز اور سبق آموز طریقہ پر قتل کیا جائے جس سے دوسروں کو سبق ملے۔ صرف وہ طریقۂ قتل اس سے مستثنیٰ ہوگا جو شریعت میں ممنوع ہے، مثلاً آگ میں جلانا، اس کے ماسوا دوسرے طریقے جو گنڈوں اور بدمعاشوں کو عبرت دلانے، ان کو دہشت زدہ کرنے اور لوگوں کے اندر قانون و نظم کا احترام پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھے جائیں، حکومت ان سب کو اختیار کر سکتی ہے۔ رجم یعنی سنگسار کرنا بھی ہمارے نزدیک 'تقتیل' کے تحت داخل ہے۔ اس وجہ سے وہ گنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کے عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنائیں، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں ان کے لیے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے۔ رجم کے باب میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے درمیان ہماری فقہ میں جو فرق کیا گیا ہے اس پر انشاءاللہ ہم سورۂ نور کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔

'اَوْ يُصَلَّبُوْٓا' یہ کہ ایسے لوگوں کو سولی دے دی جائے۔ سولی دینے کے لیے یہاں 'صلب' کے بجائے 'تصلیب' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ سولی اور پھانسی کے وہ طریقے بھی اختیار کیے جا سکتے جو زیادہ دردناک اور زیادہ عبرت انگیز ہوں۔ اس زمانے میں بعض طریقے جو ایجاد ہوئے ہیں ہمارے نزدیک وہ بھی اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔

'اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ' یہ کہ ان کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ دیے جائیں۔ یہ بے ترتیب کاٹنے کی ہدایت بھی عبرت انگیزی اور درد انگیزی ہی کے نقطۂ نظر سے ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر اس قسم کے کسی شریر کی جان بخشی بھی جائے تو اس طرح کہ اس کی شرانگیزی اور فساد کے تمام اسلحہ بے کار کر دیے جائیں۔

'اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ' یہ کہ ان کو ملک سے جلا وطن کر دیا جائے۔ نفی کا لغوی مفہوم جلا وطن کرنا ہے۔ حبس اور قید اس کا لغوی مفہوم نہیں ہے البتہ اس کے مفہوم میں شامل ضرور ہے، اگر ایسے مجرموں کی جلاوطنی دشوار یا دینی و سیاسی نقطۂ نظر سے خلاف مصلحت ہو تو ان کو محبوس یا کسی خاص علاقہ میں پابند اور نظربند کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیز اس لفظ کے مفہوم کے خلاف نہیں ہوگی۔

حالات کی نوعیت کے لحاظ سے حکومت کو مناسب اقدام کا اختیار

قرآن کے الفاظ صاف اس بات پر دلیل ہیں کہ حالات کی نوعیت اور بدامنی اور قانون شکنی کے موجود اور متوقع اثرات کے لحاظ سے حکومت ان میں سے جو اقدام بھی مناسب سمجھے، کر سکتی ہے۔ عربی زبان میں 'او' کا استعمال اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس وجہ سے مجھے ان لوگوں کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے جو حکومت کو اختیار دیتے ہیں کہ قیام امن و قانون اور استیصال فتنہ کے نقطۂ نظر سے ان میں سے جو سی شکل بھی اس کو مفید و مؤثر اور مطابق مصلحت نظر آئے اس کو اختیار کر سکتی ہے۔ اس طرح کے حالات میں

صرف اسی امر کو ملحوظ نہیں رکھنا پڑتا ہے کہ جرم کرنے والے جتھے نے صرف مال کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر زمانہ، مقام اور جتھہ بندی کرنے والے مجرموں کے عزائم اور ان کے اثرات پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ مثلاً زمانہ جنگ یا بدامنی کا ہو تو اس میں لازماً سخت اقدام کی ضرورت ہوگی، اسی طرح مقام سرحدی یا دشمن کی سازشوں کا آماجگاہ ہو تب بھی موثر کارروائی ضروری ہوگی، اگر شرارت کا سرغنہ کوئی بڑا خطرناک آدمی ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کو ڈھیل ملی تو بستیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ پیش آجائے گا تب بھی حالات کے لحاظ سے موثر قدم اٹھانا پڑے گا۔ غرض اس میں اصل اہمیت جزوی واقعات کی نہیں بلکہ بغاوت کے مجموعی اثرات اور ملک و ملت کے مصالح کی ہے۔

سزا اجتماعی حیثیت سے دی جائے گی

اس طرح کے حالات میں سزا بھی انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ گروہی حیثیت سے دی جائے گی۔ اگر قتل، اغوا، زنا، آتش زنی، تخریب کے واقعات پیش آتے ہیں تو یہ جستجو نہیں کی جائے گی کہ متعین طور پر ان جرائم کا ارتکاب کن ہاتھوں سے ہوا ہے بلکہ ان کی ذمہ داری میں باغی گروہ کا ہر فرد شریک سمجھا جائے گا اور اسی حیثیت سے ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا، اس لیے کہ ہر جرم کے ارتکاب میں سب کے مجموعی اثر نے کام کیا ہے۔

اس قانون کے استعمال کی بعض مثالیں

عکل اور عرینہ والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال کے اونٹوں کو ہنکالے جانے اور ان کے چرواہوں کو قتل کرنے کے جرم میں جو عبرت انگیز سزا دی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اسی آیت کے تحت لیا ہے۔ بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع کے ساتھ جو معاملہ حضورؐ نے کیا، ہمارے نزدیک وہ بھی اسی حکم الٰہی کے تحت کیا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے مانعینِ زکوٰۃ کی جو سرکوبی کی وہ بھی ہمارے نزدیک اسی حکم کے تحت کی۔ مسیلمہ کذاب کا فتنہ بھی اسی محاربۂ اللہ و رسول کے تحت آتا ہے اور اس کی سرکوبی بھی اسی قانونِ الٰہی کے تحت ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں یہود کو عرب سے جو آخری بار نکالا وہ بھی اسی حکمِ خداوندی کی تعمیل تھی۔

جرم اور مجرمین کے جدید فلسفہ پر بحث

'ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا الآية' (یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے) یہ اس شبہے کا ازالہ ہے جو مذکورہ بالا سزاؤں سے متعلق ان لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا یا پیدا ہو سکتا ہے جو اللہ اور رسول کو چیلنج کرنے کے جرم کی سنگینی کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے۔ اس کائنات میں حقیقی عزت اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ 'وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ' اس وجہ سے جو لوگ خدا اور رسول کے مقابل میں جرأت و جسارت کا اظہار اور بغاوت کا اعلان کریں وہ مستحق ہیں کہ اس دنیا میں بھی رسوا ہوں اور آخرت میں بھی وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں۔ دنیا میں ان کی یہ رسوائی دوسروں کے لیے ذریعۂ عبرت و بصیرت ہوگی اور اس کے اثر سے ان لوگوں کے اندر بھی قانون کا ڈر اور احترام پیدا ہوگا جو یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ مجرد قانون کی افادیت و عظمت کی بنا پر اس کا احترام کریں۔ موجودہ زمانے میں جرم اور مجرمین کے لیے فلسفہ کے نام سے جو ہمدردانہ اور رحم دلانہ نظریات پیدا ہو گئے ہیں یہ انہی کی برکت ہے کہ انسان بظاہر جتنا ہی ترقی کرتا جاتا ہے دنیا اتنی ہی جہنم بنتی جا رہی ہے۔ اسلام اس قسم کے مہمل نظریات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ اس کا قانون ہوائی نظریات پر نہیں

بلکہ انسان کی فطرت پر مبنی ہے۔

مفسدین پر قابو پانے سے پہلے اصلاح کرنے والوں کا حکم

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی یہ خاص اختیارات صرف ان باغیوں کے خلاف استعمال کیے جائیں گے جو حکومت کے حالات پر قابو پانے سے پہلے تک اپنی بغاوت پر اڑے رہے ہوں، اور حکومت نے اپنی طاقت سے ان کو مغلوب و مقہور کیا ہو۔ جو لوگ حکومت کے ایکشن سے پہلے ہی توبہ کر کے اپنے رویہ کی اصلاح کر چکے ہوں ان کے خلاف ان کے سابق رویہ کی بنا پر اس قسم کا کوئی اقدام جائز نہیں ہوگا بلکہ اب ان کے ساتھ عام قانون کے تحت معاملہ ہوگا۔ اگر ان کے ہاتھوں عام شہریوں کے حقوق تلف ہوئے ہیں تو حتی الامکان ان کی تلافی کرا دی جائے گی۔

آیت میں فَاعْلَمُوْۤا کے لفظ کے زور کو اگر ذہن میں رکھیے تو یہ بات صاف نکلتی ہے کہ قابو میں آنے سے پہلے ہی توبہ و اصلاح کر لینے والوں کے معاملے میں حکومت کے لیے کوئی انتقامی کارروائی جائز نہیں ہے خدا غفور و رحیم ہے۔ جب وہ پکڑ سے پہلے توبہ و اصلاح کر لینے والوں کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے بندوں کا رویہ اس سے الگ کیوں ہو؟

۱۴۔ آگے کا مضمون —— آیات ۳۵-۴۰

آگے مسلمانوں کو پہلے اللہ کے حدود و قیود کی پابندی کرتے رہنے، اللہ ہی کا تقرب ڈھونڈنے اور اسی کی راہ میں برابر سرگرم کار رہنے کی تاکید فرمائی کہ دراصل یہی چیزیں ہیں جو خدا کے ہاں کام آنے والی اور آخرت کی پکڑ سے بچانے والی ہیں، جو لوگ ان چیزوں سے محروم ہوں گے ان کو دوسری کوئی چیز بھی دوزخ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی۔

اس کے بعد چوری کی سزا کا قانون اور اس کی حکمت بیان فرمائی اور اس کے ساتھ یہ تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ خدا کے قانون سے گریز اختیار کرنے یا اپنی دراندازیوں، سفارشوں، رشوتوں اور کوششوں سے اس کو بے اثر بنانے کی کوشش کریں گے وہ یاد رکھیں کہ اس قسم کی تدبیریں کچھ کارگر ہو سکیں گی تو بس اسی دنیا کی زندگی میں کارگر ہو سکیں گی۔ آخرت میں تمام جزا و سزا صرف خدا ہی کے اختیار میں ہوگی۔ وہاں کسی کا نہ زور و اثر کام کر سکے گا، نہ کسی کی سعی و سفارش کچھ کام آسکے گی۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۵-۴۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمۂ آیات ۳۵-۴۰

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور اسی کے تقرب کے طالب بنو اور اس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اگر انھیں وہ سب کچھ حاصل ہو جائے جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ سکیں تو بھی ان کا یہ فدیہ قبول نہ ہوگا، ان کے لیے بس ایک دردناک عذاب ہی ہے۔ وہ زور لگائیں گے کہ آگ سے نکل بھاگیں لیکن اس سے کبھی نکل نہ پائیں گے، ان کے لیے ایک دائمی عذاب ہوگا۔ ۳۵-۳۷

اور چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کے کیے کی پاداش اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا کے طور پر، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ پس جس نے اپنے اس ظلم کے بعد توبہ اور اصلاح کر لی تو اللہ اس پر عنایت کی نظر فرمائے گا،

بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تمھیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، وہی جس کو چاہے گا سزا دے گا اور جس کو چاہے گا بخشے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۳۸-۴۰

۱۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳۵)

'تقویٰ' کا مفہوم ہم مختلف مقامات میں ظاہر کر چکے ہیں کہ خدا کے حدود و احکام کی پوری مستعدی کے ساتھ نگہداشت اور ان کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے رہنا ہے۔

'وسیلہ' کا مفہوم — 'وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ' وسیلہ کے معنی قربت کے ہیں اور 'اِلَيْهِ' کی تقدیم سے حصر کا مضمون پیدا ہو گیا ہے یعنی خدا ہی کا قرب اور اسی کا تقرب ڈھونڈو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کے احکام و حدود کی پوری پوری پابندی کرو، اور ان کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے رہو۔ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ، جیسا کہ آیت وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ الآية کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں، کتاب اللہ اور شریعت ہی ہے۔ اس وجہ سے کتاب اللہ اور شریعت کو مضبوطی سے تھامنا ہی خدا سے قربت کا واسطہ ہے۔ گویا آیت میں تنبیہ ہے کہ جن لوگوں نے خدا اور اس کی شریعت سے بے پروا ہو کر دوسروں کا تقرب ڈھونڈا اور ان کو اپنی نجات و فلاح کا ضامن سمجھ بیٹھے ہیں وہ بڑی غلط امیدوں اور بڑے ہی غلط سہارے پر جی رہے ہیں۔ فوز و فلاح کی راہ یہ ہے کہ خدا ہی سے ڈرو اور اسی کا تقرب ڈھونڈو۔ قرآن میں دوسری جگہ اس بات کی بھی تصریح ہے کہ فرشتے جن کو نادانوں نے خدا کی قربت کا ذریعہ سمجھ کر معبود بنایا وہ خود ہر لحظہ خدا کے قرب کے لیے ساعی و سرگرم اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا (وہ لوگ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں خود اپنے رب کے قرب کے حصول کے لیے ساعی رہتے ہیں کہ کون زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے اور اس کی رحمت کی امید کرتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے)

لفظ 'جہاد' اپنے وسیع مفہوم میں — 'وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ' لفظ 'جہاد' یہاں وسیع معنوں میں ہے۔ اس سے مراد ہر وہ سعی و سرگرمی اور ہر وہ محنت و کوشش ہے جو خدا کے احکام کی پابندی، اس کے دین کے قیام اور اس کی رضا طلبی کی راہ میں کی جائے۔ عام اس سے کہ وہ تلوار کے ذریعے سے ہو یا اپنی دوسری قوتوں، صلاحیتوں اور دوسرے

اسباب و وسائل سے ۔ یہ گویا وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کا عملی ثبوت ہے۔ یعنی خدا سے قربت کا طالب اس کی راہ میں ہر لحظہ سرگرم کار رہتا ہے۔

نظم کے پہلو سے یہ اوپر کے تعزیری احکام اور آگے چوری کی سزا کے حکم کے بیچ میں مسلمانوں کو تنبیہ و تذکیر ہے کہ خدا کے احکام و حدود کی پابندی کے معاملے میں دوسری امتوں کی طرح تم ڈھیلے نہ پڑنا۔ خدا سے تعلق اس کی شریعت ہی کے واسطے سے قائم ہوتا ہے۔ اس کے سوا فلاح کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ اگر خدا کی شریعت کو چھوڑ کر تم یہود و نصاریٰ کی طرح دوسرے سہاروں پر اعتماد کر بیٹھے تو یہ سہارے نافع ہونے کے بجائے صرف موجب وبال ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ (۳۶-۳۷)

خدا کے سوا دوسرے وسیلوں پر اعتماد کرنے والوں کا انجام

'اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا' سیاق و سباق دلیل ہے کہ یہاں اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے فلاح کی اس راہ سے الگ راہ اختیار کی جو اوپر والی آیت میں بیان ہوئی ہے۔ یعنی انھوں نے خدا ہی سے ڈرنے، خدا ہی کا قرب تلاش کرنے اور اسی کی راہ میں سرگرم رہنے کے بجائے بے بنیاد سہاروں اور خیالی سفارشوں کے اعتماد پر زندگی گزاری اور یہ توقع کیے بیٹھے رہے کہ آخرت کی تمام کامرانیاں انھی کا حصہ ہیں۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ، زمین کے تمام خزانے اور اس کے ساتھ اتنے ہی کے برابر مزید خزانوں کے مالک بن جائیں اور ان سب کو عذاب آخرت سے چھوٹنے کے لیے فدیہ میں دیں جب بھی ان کا فدیہ قبول نہیں ہوگا۔ وہ دوزخ سے نکلنے کے لیے کتنا ہی ہاتھ پاؤں ماریں گے لیکن وہ اس سے نکل نہیں پائیں گے، ان کے لیے ابدی اور دائمی عذاب ہوگا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳۸-۳۹)

چوری کی سزا

'وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ' کا عطف محاربین پر ہے جن کا ذکر اوپر گزرا۔ بیچ میں جو دو آیتیں آگئی ہیں یہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، تعزیرات و حدود کے بیان کے سلسلے میں بطور تنبیہ و تذکیر ہیں۔

'سارق' اور 'سارقة' چونکہ صفت کے صیغے ہیں اس وجہ سے ان سے اشارہ نکلتا ہے کہ ارتکاب فعل کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کے ارتکاب پر چوری اور اس کے مرتکب پر چور کا اطلاق ہو سکے۔ اگر کوئی ناتربیت یافتہ شخص راہ چلتے کسی کے درخت سے چند پھل توڑ لیتا ہے یا کسی کے کھیت سے کچھ سبزیاں لے لیتا ہے یا کسی کی ٹال سے چند لکڑیاں اٹھا لیتا ہے، یا کسی کے باورچی خانے سے کوئی کھانے پینے کی چیز لے لیتا ہے تو یہ افعال ناشائستہ ہیں اور ان پر وہ تنبیہ و تادیب کا بھی سزاوار ہے

لیکن یہ وہ چوری نہیں ہے جس پر اس کو قطع ید کی سزا دی جائے۔ اس وجہ سے ہمارے فقہا نے اس جرم کے تعین اور اس کی سزا کے نفاذ پر چند شرطیں عائد کی ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہمارے لیے یہاں ان تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ تاہم چند باتوں کی طرف ہم اشارہ کریں گے تاکہ مسئلے کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے۔

قطع ید کی سزا کے لیے شرطیں

فقہا نے چوری پر قطع ید کی سزا نافذ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل قیدیں عائد کی ہیں۔

۱۔ چوری کسی قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی کی گئی ہو، بے قیمت یا کسی چھوٹی موٹی چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو معمولی چیز کی چوری پر یہ سزا نہیں دی گئی۔ قدر و قیمت کے اندازے کے باب میں فقہا کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایک دینار سے کم قیمت کی چیز پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۲۔ چوری محفوظ کیے ہوئے مال کی کی گئی ہو۔ اگر کسی نے اپنا مال یوں ہی کہیں ڈال دیا یا اپنے مویشی یوں ہی جنگل میں آوارہ چھوڑ دیے تو ان کی چوری اس قانون کے تحت نہیں آتے گی۔

۳۔ جس مال میں چوری کرنے والے کا اشتراک ہو یا وہ مال اس کی حفاظت یا امانت میں ہو اس کی چوری بھی اس قانون کے دائرے سے باہر ہے۔

۴۔ مجنون اور نابالغ کی چوری پر بھی اس قانون کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۵۔ کسی کے بیوی بچے اور اس کے گھریلو ملازم اگر اس کے مال میں سے کچھ چوری کر لیں تو یہ چیز بھی اس قانون کے دائرے سے الگ ہے۔

۶۔ اضطرار کا شائبہ ہو جب بھی یہ سزا نافذ نہیں کی جائے گی۔ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے عام الرمادہ کے قحط کے موقع پر قطع ید کی سزا روک دی تھی۔

۷۔ اس سزا کے نفاذ کے لیے دارالاسلام ہونا بھی شرط ہے۔ حدود و تعزیرات کا تعلق اول تو بااختیار حکومت سے ہے ثانیاً ان کا تعلق دارالکفر یا دارالحرب سے نہیں بلکہ دارالاسلام سے ہے اس لیے کہ یہ احکام و حدود ایک مجموعی نظام کا جزو ہیں، اس نظام سے الگ کر کے ان کو نافذ کرنا ایسا ہی ہے جیسے گول خانے میں ایک چوکھٹی چیز۔ ان احکام کا زمانۂ نزول خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے نفاذ کے لیے دارالاسلام شرط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل ہی اس وقت فرمائے جب دارالاسلام عملاً قائم ہو چکا۔

قطع ید کی حکمتیں

"فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ" میں قطع ید کے دو سبب بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مجرم کے جرم کی سزا ہے، دوسرا یہ کہ یہ "نکال" ہے۔ "نکال" کے معنی کسی کو ایسی سزا دینے کے ہیں

جس سے دوسرے عبرت پکڑیں۔ ان دونوں کے درمیان حرفِ عطف کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں باتیں اس سزا میں بیک وقت مطلوب ہیں۔ یعنی یہ پاداشِ عمل بھی ہے اور دوسروں کے لیے سامانِ عبرت بھی۔ جو لوگ اس کے ان دونوں ہی پہلوؤں پر بیک وقت نظر نہیں ڈالتے وہ بسا اوقات اس خلجان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جرم کے اعتبار سے سزا زیادہ سخت ہے حالانکہ اس سزا میں متعین اس جرم ہی کی سزا نہیں ہے جو مجرم سے واقع ہوا بلکہ ان بہت سے جرائم کی روک تھام بھی اس میں شامل ہے جن کا وہ اپنے فعل سے محرک بن سکتا ہے اگر اس کو ایسی سزا نہ دی جائے جو دوسروں کے حوصلے پست کر دے۔ جنس کی طرح مال کی بھوک بھی انسان کے اندر بڑی ہی شدید ہے۔ اگر اس حرص کو ذرا ڈھیل مل جائے تو پھر اس کے نتائج کیا کچھ نکل سکتے ہیں، اس کا اندازہ کرنے کے لیے موجودہ زمانہ کے حالات میں کافی سامانِ بصیرت موجود ہے بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھیں موجود ہوں۔ اس زمانے کے کسی متمدن سے متمدن ملک کے صرف ایک سال کے وہ ہولناک جرائم جمع کر لیے جائیں جو محض چوری کی وجہ سے پیش آئے تو وہ آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں لیکن تہذیبِ جدید کے مارے ہوئے انسان کی پیشانی یہ سن کر تو عرق آلود ہو جاتی ہے کہ چوری پر کسی کا ہاتھ کٹ جائے لیکن ان ہزاروں دل ہلا دینے والے واقعات سے اس کا دل نہیں پسیجتا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ چوری کی راہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ چوری کوئی مفرد جرم نہیں ہے بلکہ یہ مجموعۂ جرائم ہے جس سے طرح طرح کے ہولناک جرائم ظہور میں آتے ہیں۔ اگر چوری کی راہ مسدود ہو جائے تو یہ یا تو بالکل ہی ناپید ہو جائیں گے یا کم از کم یہ کہ انتہائی حد تک کم ہو جائیں گے۔ چنانچہ تجربہ گواہ ہے کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا سے نہ صرف چوری کے واقعات انتہائی حد تک کم ہو گئے بلکہ دوسرے جرائم میں بھی انتہائی کمی ہو گئی۔ پھر اگر چند ہاتھ کٹ جانے سے ہزاروں سر، ہزاروں گھر، ہزاروں آبروئیں محفوظ ہو جائیں، ظلم و شقاوت اور حرث و نسل کی بربادی کے بہت سے ابواب کا خاتمہ ہو جائے تو عقلِ سلیم تو یہی کہتی ہے کہ یہ مہنگا سودا نہیں ہے بلکہ نہایت بابرکت سودا ہے، لیکن موجودہ زمانے کے دانش فروشوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ یہ اس قانونِ الٰہی کی قوت اور حکمت دونوں ہی پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام قوانین و احکام اس کی صفات کا عکس ہیں۔ وہ عزیز اور غالب ہے اس وجہ سے اس کو حق ہے کہ وہ جو چاہے، حکم دے اور حکیم ہے اس وجہ سے اس کا ہر حکم حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ اس کے بندوں کے لیے نہ تو اس کے حکم سے سرتابی جائز ہے اور نہ ان کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ اس کے کسی حکم کو خلافِ حکمت و مصلحت قرار دیں۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ الآیۃ، مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ، میں لفظ ظلم، اپنے فاعل کی طرف بھی مضاف ہو سکتا ہے اور اپنے مفعول کی طرف بھی۔ مفعول کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں ان

کے معنی ہوں گے 'اپنے اس ظلم کے بعد جس کا اس نے ارتکاب کیا' اگرچہ قرآن میں نظایر پہلے مفہوم کے لیے بھی موجود ہیں اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ کسی انسان کا، جب کہ وہ مسلمان بھی ہو، چوری جیسے ذلیل جرم کا مرتکب ہونا خود اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم ہے، اس فعل کے ارتکاب سے جتنی حق تلفی وہ دوسروں کی کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ خود اپنے نفس کی کرتا ہے، لیکن میں دوسرے معنی کو ترجیح دیتا ہوں اس لیے کہ اس میں وہ ظلم بھی آجاتا ہے جو ایک چوری کرنے والا اپنے نفس پر کرتا ہے اور وہ ظلم بھی آجاتا ہے جو وہ اس پر کرتا ہے جس کا مال چراتا ہے۔

توبہ کے ساتھ اصلاح کی شرط

توبہ کے ساتھ اصلاح کا ذکر درحقیقت توبہ کی ایک لازمی شرط کی حیثیت سے ہے۔ بندہ جب کوئی اس طرح کا جرم کرتا ہے تو ایک تو وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے، دوسرے وہ اپنے نفس کی یا دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ خدا سے معاملہ درست کرنے کے لیے تا حد امکان اپنے رویہ کی اصلاح اور اپنے ظلم کی تلافی ناگزیر ہے۔ بغیر اس دو طرفہ عمل کے توبہ بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ توبہ اور اصلاح سے بندے کا آخرت کا معاملہ صاف ہو جاتا ہے لیکن قانون کی گرفت میں آچکنے کے بعد توبہ کے سبب سے شریعت کی کوئی حد ساقط نہیں ہو سکتی۔ وہ بہرحال نافذ ہو گی۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ (۴۰)

ایک عظیم تنبیہ

'أَلَمْ تَعْلَمْ' کا خطاب عام ہے۔ یہ عام خطاب کے ساتھ تنبیہ ہے کہ آسمان و زمین میں سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہی جس کو چاہے سزا دے گا جس کو چاہے بخشے گا۔ کسی دوسرے کے لیے اس میں کسی چون و چرا اور کسی مداخلت کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ اس وجہ سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے قانون کے تابع اور اس کے حوالے کرے۔ نہ کوئی اس سے بھاگنے کی کوشش کرے، نہ کوئی اس سے دوسروں کو بچانے کی تدبیریں سوچے اور نہ کسی کے زور و اثر اور کسی کی سعی و سفارش پر بھروسہ کر کے خدا اور اس کی شریعت سے بے پروا ہو۔ یہ تنبیہ اس وجہ سے ضروری تھی کہ درحقیقت یہ سارے احکام جو قتل، قصاص، رہزنی اور چوری وغیرہ سے متعلق اس سورہ میں بیان ہو رہے ہیں، یہ سب دوسری امتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہوئے۔ انھوں نے ان سے بچنے کے لیے بہت سے چور دروازے نکال لیے، یہاں تک کہ یہ تمام قوانین بالکل بے اثر ہو کر رہ گئے۔ اگر اس کی علت کا سراغ لگایا جائے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ ان قوموں نے توحید کی وہ حقیقت مستحضر نہیں رکھی جس کی اس آیت میں یاد دہانی کی گئی ہے۔

۱۶۔ آگے کا مضمون ــــــ آیات ۴۱-۵۰

آگے چند آیات میں پہلے منافقین اور یہود کی اس ملی بھگت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو انھوں نے شرعی احکام و قوانین، بالخصوص تعزیرات و حدود کی گرفت سے بچنے اور ایک دوسرے کو ان سے بچانے کے لیے باہم کر رکھی تھی۔ ان آیات کے زمانۂ نزول تک مدینہ اور اس کے اطراف میں اگرچہ اسلام کو سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ اقتدار مکمل نہیں تھا، آس پاس یہود کی جو بستیاں تھیں وہ اپنے حدود میں قبائلی نوعیت کا اقتدار رکھتی تھیں اور ان کے حکام ان لوگوں کے معاملات و نزاعات کا فیصلہ کرتے تھے جو ان کے دائرۂ اثر میں تھے یا ان کی طرف رجوع کرتے۔ لیکن یہ عدالتیں قیام عدل و انصاف کے نقطۂ نظر سے بالکل بے جان اور بے مصرف ہو چکی تھیں۔ اول تو یہود نے خود قانون ہی کو اپنے اغراض کے تحت مسخ کر کے بالکل بے اثر کر دیا تھا، دوسرے جھوٹ اور رشوت، کا ان کے ہاں اتنا زور تھا کہ کسی معاملے میں نہ گواہوں کی گواہی کا کوئی وزن باقی رہ گیا تھا نہ عدالتوں کے انصاف کا۔ بڑی آسانی سے گواہوں اور حکام دونوں کو رشوت کے ذریعے سے خریدا اور ان کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اقتدار کی یہ دو عملی اور یہودی عدالتوں کی یہ انصاف فروشی ان لوگوں کے لیے ایک چور دروازہ فراہم کرتی تھی جو قانون کے تقاضوں سے فرار اختیار کرنا چاہتے۔ چنانچہ منافقین اور یہود اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ شرارت کرتے کہ جن معاملات میں ان کو توقع ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے فیصلہ ان کے حسبِ منشا ہو جائے گا ان کے لیے آنحضرت صلعم سے رجوع کرتے لیکن جن میں اپنے حسبِ منشا فیصلہ ہونے کی توقع نہ ہوتی ان کے لیے یہودی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے تاکہ جھوٹے گواہوں اور رشوت کے ذریعے سے اپنے حسبِ منشا فیصلے حاصل کر سکیں۔ قرآن نے ان کی اس بدبختانہ روش پر افسوس کیا ہے اور آنحضرت صلعم کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر اس قسم کے اشرار اپنے معاملات آپ کی عدالت میں لائیں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ ان کے مقدمے لیں یا نہ لیں۔ البتہ اگر لیں تو فیصلہ اسی قانونِ عدل کے مطابق کریں جو اللہ نے اتارا ہے۔

اس کے بعد یہود کی حالت پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ فلاں معاملے میں تورات کا حکم کیا ہے تمھیں حکم بناتے ہیں پھر تم جو فیصلہ کرتے ہو اس سے مکر جاتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا ایمان کسی چیز پر بھی نہیں ہے۔ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد پہلے تورات و انجیل کا حوالہ دیا ہے کہ اللہ نے یہ صحیفے ہدایت اور روشنی بنا کر اتارے، ان کے ذریعے سے لوگوں کو اپنے احکام و قوانین سے آگاہ کیا، ان کے حاملوں کو ان کا گواہ اور امین بنایا اور ساتھ ہی انھیں اس امر سے آگاہ فرمایا کہ جو لوگ معاملات کے فیصلے ان کتابوں کے احکام کے خلاف کریں گے

وہ کافر، ظالم اور فاسق ٹھہریں گے۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے ان کتابوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنی خواہشات و بدعات کے پیرو بن گئے۔ پھر قرآن کا ذکر فرمایا کہ اب اللہ نے یہ کتاب اتاری ہے جو تمام اختلافات کے درمیان قولِ فیصل اور سابق صحیفوں کے لیے معیار اور کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے تو اب تم ہر معاملے کا فیصلہ اسی کی روشنی میں کرو، یہود و نصاریٰ کی بدعات کی پروا نہ کرو۔ یہ یہود و نصاریٰ حق کے طالب نہیں ہیں اس وجہ سے یہ وہی لکیر پیٹتے رہیں گے جس کو پیٹتے رہے ہیں۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ حق کی راہ حق کے طالبوں کو ملتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا سب کو ایک ہی راہ پر کر دیتا لیکن اس نے لوگوں کو اختیار کی نعمت بخشی کہ ان کا امتحان کرے کہ کون حق کی راہ اختیار کرتا ہے، کون باطل کی۔ تو ان کے پیچھے اپنی راہ کھوٹی کرنے کے بجائے تم فلاح و سعادت کی راہ میں سبقت کرو۔ کل سب کا معاملہ خدا کی عدالت میں پیش ہوگا۔ وہاں سارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا۔

آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید تاکید فرمائی کہ خواہ یہود و نصاریٰ کتنا ہی زور صرف کریں تم کسی حال میں بھی کتاب الٰہی کے بالمقابل ان کی بدعات و خواہشات کی پروا نہ کرنا۔ اگر وہ کتاب الٰہی سے انحراف کی اسی روش پر اڑے رہے تو سمجھ لو کہ وقت آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بعض شرارتوں کی سزا ان کو اسی دنیا میں دے —— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۱-۵۰

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَآءُوكَ فَٱحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ

معٰ الوقف علی الاول ج

عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ
يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ
فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ
هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ
اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ
اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ
الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ
تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى
ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ
الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ
وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ
ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ
يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ترجمۂ آیات ۴۱-۵۰

اے پیغمبر، ان لوگوں کی روش تمھیں غم میں نہ ڈالے جو کفر کی راہ میں سبقت کر رہے ہیں، ان لوگوں میں سے جو زبان سے تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ ان کے دل نے ایمان قبول نہیں کیا ہے اور ان لوگوں میں سے جنھوں نے یہودیت اختیار کی ہے، یہ جھوٹ کے رسیا اور دوسروں کی باتیں ماننے والے ہیں، جو خود تمھارے پاس نہیں آتے۔ وہ کلام کو اس کا موقع و محل معین ہونے کے باوجود اس کے محل سے ہٹا دیتے ہیں، کہتے ہیں اگر تمھارے معاملے کا فیصلہ یہ ہو تب تو قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ہو تو اس سے بچ کے رہنا۔ اور جس کو اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو تم اللہ کے مقابل اس کے معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہی لوگ ہیں جن کے

دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا، ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ جھوٹ کے رسیا اور پکے حرام خور ہیں۔ اگر یہ تمھارے پاس آئیں تو تمھیں اختیار ہے، خواہ ان کے معاملے کا فیصلہ کرو یا ان کو ٹال دو۔ اگر تم ان کو ٹال دو گے تو یہ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان قانونِ عدل کے مطابق فیصلہ کرو، اللہ قانونِ عدل پر عمل کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے اور یہ تمھیں حکم کس طرح بناتے ہیں جب کہ تورات ان کے پاس موجود ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے، پھر حکم بنانے کے بعد برگشتہ ہو جاتے ہیں! یہ ہرگز باایمان لوگ نہیں ہیں۔ ۴۱-۴۳

بے شک ہم ہی نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق خدا کے فرمانبردار انبیاء، ربانی علما اور فقہا یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، بوجہ اس کے کہ وہ کتاب الٰہی کے امین اور اس کے گواہ ٹھہرائے گئے تھے کہ لوگوں سے نہ ڈریو، مجھی سے ڈریو اور میرے احکام کو دنیا کی متاعِ حقیر کے عوض نہ فروخت کیجیو اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں اور ہم نے اس میں ان پر فرض کیا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح دوسرے زخموں کا بھی قصاص ہے۔ سو جس نے اس کو معاف کر دیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں گے تو وہی لوگ ہیں جو ظالم ٹھہریں گے۔ ۴۴-۴۵

اور ہم نے ان کے پیچھے، انہی کے نقشِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا مصداق پیشتر سے موجود تورات کے اور ہم نے اس کو عطا کی انجیل، ہدایت اور روشنی پر مشتمل۔ مصداق اپنے سے پیشتر موجود تورات کی اور ہدایت و نصیحت خدا ترسوں کے لیے اور واجب ہے کہ اہل انجیل بھی فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ۴۶۔۴۷

اور ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ، مصداق اس سے پیشتر سے موجود کتاب کی اور اس کے لیے کسوٹی بنا کر تو ان کے درمیان فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا اور اس حق سے ہٹ کر، جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ضابطہ اور ایک طریقہ ٹھہرایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس نے چاہا کہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اس نے تم کو بخشی، تو بھلائیوں کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے تو وہ تمہیں آگاہ کرے گا اس چیز سے جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ ۴۸

اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان سے ہوشیار رہو کہ مبادا وہ تمہیں اس چیز کی کسی بات سے پھسلا دیں جو اللہ نے تمہاری طرف اتاری ہے پس اگر وہ اعراض کریں تو سمجھ لو کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک ان لوگوں میں سے

بیشتر نافرمان ہی ہیں۔ کیا یہ جاہلیت کے فیصلہ کے طالب ہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین کرنا چاہیں۔ ۴۹ - ۵۰

۱۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰۤٮِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۴۱)

رسول کی ذمہ داری

'يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ' لفظ 'رسول' سے خطاب یہاں اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ رسول کی اصل ذمہ داری صرف اللہ کے دین کی تبلیغ اور انذار و تبشیر کے فریضہ کی ادائیگی ہے۔ اس امر کی کوئی ذمہ داری اس پر نہیں ہے کہ لوگ اس کی دعوت کے معاملے میں رویہ کیا اختیار کرتے ہیں۔ اگر رسول نے اپنا فرض رسالت ادا کر دیا ہے تو وہ عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا، لوگ اگر کفر کی راہ میں سبقت کرتے ہیں تو اس کی پرسش رسول سے نہیں ہونی ہے بلکہ خود لوگوں سے ہونی ہے، پھر جو بات دوسروں سے متعلق ہے اس کا غم رسول کیوں کرے؟ یہاں چونکہ مقصود آنحضرت صلعم کو منافقین اور یہود کی مخالفانہ اور سازشانہ روش پر تسلی دینا اور اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ جن کا فتنہ میں پڑنا سنتِ الٰہی کے بموجب مقدر ہو چکا ہے وہ فتنہ میں پڑ کے رہیں گے اس وجہ سے 'يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ' کے خطاب سے آپ کو مخاطب کرنا موزوں ہوا تاکہ خطاب ہی سے آپ کی ذمہ داری کی حد آپ پر واضح ہو جائے۔ آگے خطاب کی یہی مضمر حقیقت الفاظ میں یوں واضح فرما دی گئی ہے 'مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا' اس پر مزید بحث آیت ۴۹ کے تحت بھی آئے گی۔

منافقین کی یہود دوستی

'يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ' کفر میں سبقت سے اشارہ یہاں منافقین کی یہود دوستی کی طرف ہے کہ یہ لوگ خدا اور اس کی شریعت سے فرار کے لیے یہود کو ملجا و ماویٰ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ زبان سے دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں لیکن جب کوئی معاملہ اور قضیہ پیش آتا ہے تو ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کو آنحضرت صلعم کی عدالت میں پیش کرنے کے بجائے یہود کی عدالت میں لے جائیں تاکہ وہاں سے حسب منشا فیصلہ حاصل کر سکیں۔ حالانکہ اللہ و رسول کی عدالت کے ہوتے ہوئے کسی اور کی عدالت کی طرف رجوع کرنا ایمان و اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف رجوع کرنا ہے۔

منافقین کا سن جانا کھاجا

'سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ' پ 'سمع' کے معنی جس طرح سننے کے آتے ہیں اسی طرح قبول کرنے کے بھی آتے ہیں اور 'ل' یہاں اضافت کے مفہوم کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ منافقین کی وہ صفت بیان ہوئی جس سے ان کی سبقت الی الکفر کی توجیہ ہو رہی ہے کہ ان کا من بھاتا کھاجا جھوٹ ہے، یہ جھوٹ کے رسیا اور جھوٹ کے گاہک ہیں، انھیں جھوٹی گواہی، جھوٹی عدالت اور جھوٹا فیصلہ چاہیے۔ اس وجہ سے یہ پیغمبر کی عدالت سے گھبراتے ہیں اور یہود کی طرف بھاگتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ جس جنس کے خریدار ہیں اس کی فراوانی اسی بازار میں ہے۔

منافقین یہود کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی

'سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ' یہ ان منافقین کی دوسری صفت ہے اور چونکہ بعینہٖ پہلی صفت ہی کا پرتو ہے اس وجہ سے حرف عطف کے بغیر مذکور ہوئی۔ یعنی یہ منافقین اگر آپ کے پاس آتے ہیں تو اپنے ذوق و شوق سے اور حق و انصاف کے لیے نہیں آتے بلکہ دوسروں کے بھیجے ہوئے اور ان کے سکھائے پڑھائے ہوئے آتے ہیں۔ اشارہ یہود کے علما اور لیڈروں کی طرف ہے جن کا حال یہ بیان ہوا ہے کہ وہ خود سامنے نہیں آتے بلکہ پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے ان کٹھ پتلیوں کو نچاتے ہیں اور یہ ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں، جو کچھ وہ کہتے ہیں یہ اسی کو مانتے ہیں اور جو کچھ ان کا ایما ہوتا ہے یہ اسی کی تعمیل کرتے ہیں۔

کلام کو اس کے واضح محل سے ہٹانا تحریف دین ہے

'يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا' یہ ان یہود کی پس پردہ سازشوں سے پردہ اٹھایا اور بتایا جا رہا ہے کہ یہ منافقین جن کے مرید ہیں اور جن سے یہ الہام حاصل کرتے ہیں ان کی کارستانیاں کیا ہیں اور وہ ان کو کیا سبق پڑھا کر آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔ ان کی ایک کارستانی تو یہ بتائی کہ 'يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ' اس کا ذکر آیت ۱۳ کے تحت بھی گزر چکا ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ وہاں 'يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ' ہے اور یہاں 'مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ' ہے۔ بات اگرچہ اصل حقیقت کے لحاظ سے دونوں جگہ ایک ہی ہے لیکن اس دوسرے اسلوب نے آیت کے مفہوم کو نسبتاً زیادہ واضح کر دیا ہے۔ جملہ میں ایک مضاف عربیت کے عام قاعدے کے مطابق محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے کلام اور اس کے احکام کا موقع و محل اور اس کا محمل و مصداق متعین ہو جانے کے باوجود اس کو اس کے موقع و محل سے ہٹا دیتے ہیں جس سے حکم کا مقصد بالکل فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر کسی حکم کا موقع و محل اور محمل و مصداق واضح نہ ہو جس کے سبب سے قاضی و مفتی تطبیق میں غلطی کر جائیں تو ان کو معذور ٹھہرایا جا سکتا ہے، لیکن محمل و مصداق کے تعین کے باوجود اس حکم کو اس کے موقع و محل سے ہٹانا صریح تحریف دین ہے اور ہم تفسیر سورۂ بقرہ میں واضح کر چکے ہیں کہ یہود اپنے صحیفوں میں جس طرح تحریف لفظی کے مرتکب ہوئے ہیں اسی طرح اس انطباقی تحریف کے بھی مرتکب ہوئے۔ خاص طور پر تعزیرات و حدود کے باب میں تو انھوں نے اس تحریف کو اس

بے دردی کے ساتھ استعمال کیا کہ شریعت کی کوئی حد و تعزیر بھی اس سے سلامت نہ رہ سکی۔ اور افسوس ہے کہ تحریف کی اس قسم کے ارتکاب میں یہ امت بھی یہود سے کچھ پیچھے نہیں رہی۔

ان کی دوسری کارستانی یہ بتائی کہ یہ ان منافقین کو یہ سکھا کر آپ کے پاس بھیجتے ہیں کہ اگر تمہارے قضیے کا فیصلہ یہ ہو تب تو قبول کر لینا اور اگر یہ فیصلہ نہ ہو تو اس کو قبول نہ کرنا۔ گویا اول تو وہ خود ہی تحریف کے چور دروازے سے مجرم کے لیے فرار کی راہ نکال دیتے ہیں اور اگر اس میں کچھ زحمت محسوس ہوتی ہے تو آنحضرت صلعم کی عدالت میں معاملہ کو بھیج دیتے ہیں لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ فیصلہ حسب منشا ہو تب تو قبول کر لینا ورنہ اس سے کترا جانا۔ مطلب قرآن کا اس ساری پردہ دری سے یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح کے فتنہ کاروں کے ہتھے چڑھے ہوئے ہیں اور خود بھی فتنہ پسند ہیں ان کو ان کی قسمت پر چھوڑو، ان کی اس حالت پر غم نہ کرو۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا یہ ہدایت و ضلالت کے باب میں اس سنت الٰہی کا بیان ہے جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کے شروع اور دوسرے متعدد مقامات میں بیان ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کی صلاحیت اور انسان کو اختیار کی نعمت دے کر اس کو دونوں طرح کے حالات سے آزمایا، اس کے سامنے نفس اور شیطان کی طرف سے شر و باطل بھی آتا ہے اور فطرت اور خدائے رحمان کی طرف سے خیر اور حق بھی۔ اس طرح اس کے عقل و ارادے کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ خیر اور حق کو اختیار کرتا ہے یا شر و باطل کو۔ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ جانتے بوجھتے اور دیکھتے سنتے شر کو خیر پر اور باطل کو حق پر ترجیح دیتے ہیں، نہ خدا کی تنبیہات سے سبق حاصل کرتے نہ اہلِ حق کی نصیحتوں سے، وہ آہستہ آہستہ اپنے ضمیر اور اپنے عقل و ارادے کو اس درجہ کند اور بے حس بنا لیتے ہیں کہ ان کے اندر حق کی طرف بڑھنے کا کوئی عزم و حوصلہ سرے سے باقی رہ ہی نہیں جاتا، باطل ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے۔ ان کو کتنا ہی جھنجھوڑیے اور جگائیے لیکن وہ یہ بستر چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس فتنہ ہی میں اوندھے منہ پڑے چھوڑ دیتا ہے جس میں وہ پڑ چکے ہوتے ہیں۔ پیغمبر اپنی دل سوزی اور محبت حق کی وجہ سے اپنا پورا زور لگاتا ہے کہ ان کو جگائے اور جب یہ نہیں جاگتے تو بعض اوقات اس کو یہ غم ہوتا ہے کہ مبادا ان کا یہ نہ جاگنا خود اس کی کسی کوتاہی کا نتیجہ ہو۔ اسی طرح کا احساس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ کفر کی راہ میں ان لوگوں کی بھاگ دوڑ اس بات کا نتیجہ ہے کہ یہ سنتِ الٰہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں اور جب یہ سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں تو بھلا کس کے امکان میں ہے کہ ان کو باطل سے موڑ کر حق کی راہ پر لا سکے۔

ہدایت و ضلالت کے باب میں سنتِ الٰہی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ۔ یہ اشارہ ہے اس سنت الٰہی کی طرف

ختم قلوب کا مرحلہ

جو قرآن میں ختم قلوب، یا زین، کے الفاظ سے تعبیر ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلوں کی تطہیر اور ان کے تزکیہ کے لیے اللہ کے ہاں ایک خاص ضابطہ ہے۔ جو لوگ نیکی اور تقویٰ کی راہ پر چلتے ہیں اگر اثنائے راہ میں ان کو کوئی ٹھوکر لگ جاتی ہے، وہ گر پڑتے ہیں، لیکن گرنے کے بعد پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور توبہ و اصلاح کے ذریعے سے دامن جھاڑ کے پھر چل کھڑے ہوتے ہیں تو خواہ ہزار بار گریں اور اٹھیں لیکن ان کے دامن دل پر میل جمنے نہیں پاتا، اللہ ان کی توبہ و اصلاح کو ان کے لیے کفارہ سیئات بناتا رہتا ہے۔ لیکن جو لوگ برائی اور نافرمانی ہی کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں اور گناہوں کی کیچڑ ہی میں لت پت رہتے ہیں اسی میں راحت محسوس کرتے ہیں، آہستہ آہستہ ان کے دلوں پر اتنی سیاہی جم جاتی ہے کہ ان پر کوئی صیقل بھی کارگر نہیں ہوتا، پھر خدا انھیں جہنم کی بھٹی ہی کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

اجزائے کلام کو سمجھ لینے کے بعد نظم کے پہلو سے پھر ایک بار یہ بات ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ میثاق الٰہی کی ان دفعات کو بیان کرنے کے بعد جو دوسری ملتوں کے لیے مزلّہ قدم ہوئیں، اب یہ ان چور دروازوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے جن سے انھوں نے پہلے بھی فرار کی راہیں اختیار کیں اور اب بھی ان کو استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ ان چور دروازوں کی نشان دہی سے مقصود، جیسا کہ فحوائے کلام سے واضح ہے، اس امت کو یہ آگاہی دینا ہے کہ تم بھی پچھلی امتوں کی طرح خدا کے میثاق سے فرار اختیار کرنے والے نہ بن جانا بلکہ ہر حالت میں اس پر قائم و استوار رہنا۔ ورنہ جس طرح ان کے لیے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب عظیم ہے اسی طرح تم بھی اس کے مستحق ٹھہرو گے۔ خدا کا قانون سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۴۲)

سحت کا مفہوم

'اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ'، 'سُحت' کے معنی کسب حرام کے ہیں۔ کسب حرام کی یوں تو مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں لیکن اس لفظ کا غالب استعمال رشوت کے لیے ہے۔ اسی معنی میں یہ یہاں بھی استعمال ہوا ہے اور قرآن میں جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہے اسی معنی میں ہوا ہے۔

جھوٹ اور رشوت نظام عدل کو ختم کر دیتے ہیں

یہ اس گروہ منافقین و یہود کی، جن کا ذکر اوپر ہوا، مزید صفت بیان ہوئی کہ یہ جھوٹ کے رسیا اور پکے رشوت خور ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ 'سمّاع' اور 'اکّال' اول تو مبالغہ کے صیغے ہیں پھر یہ پورے گروہ کی صفت کے طور پر وارد ہوئے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں بیماریاں یہود و ان کے ہم مشربوں پر وبا کی طرح مسلط ہو گئی تھیں اور ان کی پوری قوم ان میں مبتلا تھی۔ جھوٹ اور رشوت یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو کسی قوم میں پھیل جائیں تو اس کے اندر سے حق و عدل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ حق و عدل کا قیام، جیسا کہ 'كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ' والی آیت میں بیان ہوا ہے دو چیزوں پر منحصر

ہے۔ ایک اس چیز پر کہ حق کی بے لاگ شہادت دینے والے موجود ہوں، دوسری یہ کہ قانون عدل و قسط کے مطابق بے لاگ فیصلہ کرنے والے موجود ہوں۔ یہ دونوں چیزیں نظام حق و انصاف اور قیام عدل و قسط کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور جھوٹ اور رشوت ان دونوں کا استیصال کر دیتی ہیں۔ لفظ 'سحت' جو یہاں رشوت کے لیے استعمال ہوا ہے عربی لغت میں اصلاً استیصال کے مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ رشوت کے مفہوم کے لیے اسی لیے استعمال ہوا ہو کہ یہ چیز تمام حق و عدل کی بنیاد ہی ڈھا دیتی ہے۔

حاملِ شریعت امت کا اصلی فریضہ

شہداء علی الناس اور قوامین بالقسط پر سب سے بڑا خدائی فرض یہی عائد ہوتا ہے کہ وہ حق کی گواہی دینے والے، حق پر قائم رہنے والے اور حق کے مطابق بے لاگ فیصلہ کرنے والے بنیں۔ یہی اس عہد و میثاق کے قیام و استحکام کی بنیاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اس امت سے لیا ہے جس کو اپنی کتاب و شریعت سے نوازا ہے لیکن اس فرض کی ادائیگی اسی وقت تک ممکن ہے جب تک جھوٹ اور رشوت کی چاٹ لوگوں کو نہ لگے۔ جب جھوٹ کی چاٹ لگ جائے، جب جھوٹی گواہی دینا بہتوں کا پیشہ بن جائے، جب گواہی کے بیچنے والے، جھوٹی گواہی کی تعلیم دینے والے، جھوٹ کو فن بنا دینے والے اور جھوٹ کی وکالت کرنے والے سوسائٹی کے ہر طبقہ میں نہ صرف یہ کہ پیدا ہو جائیں بلکہ ان کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا اور نہایت معزز القاب سے خطاب کیا جانے لگے، نیز رشوت خوری عام ہو جائے، اختیار رکھنے والے اور معاملات کا فیصلہ کرنے والے، اپنے اختیار و انصاف کو خریدنی و فروختنی شے بنا دیں، جو شخص ان کو خرید سکے، خواہ ظالم ہو یا مظلوم، ان کے اختیار و اقتدار اور ان کے زبان و قلم کو اپنے حق میں استعمال کر سکے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قوم کے اندر سے حق و انصاف کا جنازہ نکل گیا اور عہد الٰہی کی اس نے دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

یہود کی ایک چال اور اس کا توڑ

فان جاءوک فاحکم بینہم او اعرض عنہم وان تعرض عنہم فلن یضروک شیئا۔ فرمایا کہ یہ لوگ جو دوسروں کے بھیجے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں اور دل میں یہ ارادہ لے کر آتے ہیں کہ فیصلہ ان کے حسب منشا ہوگا تب تو قبول کریں گے ورنہ رد کر دیں گے تو ایسے لوگوں کے بارے میں تمہیں اختیار ہے کہ تم ان کے مقدمے کے فیصلے کی ذمہ داری لو یا نہ لو۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اوپر قیام عدل و قسط کی ذمہ داری اصلاً صرف انہی لوگوں سے متعلق ہے جو تمہارے دائرۂ اقتدار و اطاعت کے اندر ہیں۔ جو اس سے باہر ہیں، جن کی وفاداری ابھی تقسیم ہے، جو تمہارے پاس بھی آتے ہیں اور دوسروں سے بھی ساز باز رکھتے ہیں، ان کی ذمہ داری شرعاً تم پر نہیں ہے، مصلحت دیکھو تو ان کے مقدمے لو، مصلحت نہ دیکھو تو رد کر دو۔ فرمایا کہ تم ان کو رد کر دو گے تو یہ تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہ اطمینان اس لیے دلایا گیا کہ یہود اس طرح کے معاملات و مقدمات آنحضرت صلعم کے پاس بھیجتے یا لاتے تو اس میں ان کی کوئی نہ کوئی مفسدانہ غرض

ضرور پوشیدہ ہوتی، وہ اس سے آپ کے خلاف سیاسی فائدے اٹھانے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلا دیا کہ تم ان کا معاملہ لو تو بہر حال اس کا فیصلہ اسی قانون عدل و قسط کے مطابق کرو، جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے اور اگر ان کو رد کر دو تو اس کا بھی تمہیں اختیار ہے، یہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، حق پر قائم رہنے والے کی اللہ حفاظت کرتا ہے۔

امت کو ہر حال میں حق پر قائم رہنے کی ہدایت

'وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ' پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطے سے پوری امت سے گویا عہد لیا گیا ہے کہ فیصلہ اپنوں کے کسی معاملے کا ہو یا غیروں کے، بہر حال بے لاگ لپیٹ، قانون عدل و قسط کے مطابق ہو۔ 'قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ' کا فریضہ منصبی یہی ہے اور اسی کی خاطر اللہ نے پچھلی امتوں کو معزول کر کے اس امت کو برپا کیا ہے۔ 'إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی محبت کسی نسل و خاندان کے ساتھ نہیں بلکہ عدل و قسط قائم کرنے والوں کے ساتھ ہے، جو گروہ جب تک اس پر قائم رہے گا اور اس کو قائم کرے گا اللہ اس کو دوست رکھے گا اور جس کو اللہ دوست رکھے وہی دنیا اور آخرت دونوں میں برومند اور فلاح یاب ہوگا۔

شریعت سے فرار کے لیے یہود کی دہری شرارت

'وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ' (۴۳)

یہ تعجب کا اظہار اس بات پر نہیں ہے کہ وہ تورات رکھتے ہوئے اپنے معاملات کے فیصلے کے لیے آپ کو حکم کس طرح بناتے ہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ آپ کو حکم بنا کر آپ کے فیصلے سے مکرتے کس طرح ہیں جب کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے فیصلے شریعت الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اول تو احکام، بالخصوص تعزیرات و حدود، بنیادی طور پر تورات و قرآن دونوں میں یکساں ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جن امور میں قرآن کی کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہوتی ان میں آپ فیصلہ احکام تورات کے مطابق فرماتے اور ان یہود کو اچھی طرح علم ہوتا کہ آپ کا فیصلہ تورات کے قانون کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیسی بے حیائی اور ڈھٹائی کی بات تھی کہ آپ کو حکم بھی بنایا جائے اور آپ کا فیصلہ اس قانون الٰہی کے مطابق بھی ہو جس پر ایمان کا دعویٰ ہے لیکن پھر اس فیصلہ سے فرار اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ تفسیر کی کتابوں میں زنا کے ایک مقدمے کا ذکر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بالکل تورات کے قانون کے مطابق تھا لیکن علمائے یہود نے اس طرح کے معاملات میں امیر اور غریب کے لیے چونکہ الگ الگ ضابطے بنا رکھے تھے اس وجہ سے وہ تورات کے اصل قوانین کو چھپاتے تھے۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی انھوں نے یہی کوشش کی لیکن بالآخر ان کو اصل حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ روش ہر پہلو سے دعوائے ایمان کے منافی ہے۔ اول تو آپ کی عدالت میں مقدمہ کو لے جانا ہی اس خواہش کے ساتھ تھا کہ تورات کے قانون سے فرار کی شاید کوئی شکل نکل آئے، لیکن جب وہاں سے کوئی شکل نہیں نکلی تو یہ جانتے بوجھتے کہ آپ کا فیصلہ بالکل تورات کے حکم کے مطابق ہے اس سے

گریز کی کوشش کی۔ فرمایا کہ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ یہ لوگ کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۴۴-۴۵)

تورات کا مرتبہ

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ، یہ تورات کی قدر و قیمت واضح فرمائی گئی کہ اللہ نے اس کو آتارا تھا تو بازیچۂ اطفال بنانے کے لیے نہیں اتارا تھا بلکہ زندگی کے اعلیٰ اقدار کے تحفظ کا وسیلہ، خدا اور اس کے نبیوں کے بتائے ہوئے طریقوں کی طرف رہنمائی کا ذریعہ، صراطِ مستقیم کی ہدایت اور خواہشات و بدعات کی تاریکیوں سے نکالنے والی روشنی بنا کر اتارا تھا۔

تورات کے بارے میں ان کے مخلص حاملین کی روش

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ، تورات کے سچے اور مخلص حاملین کی روش بیان ہوئی ہے کہ کس طرح اللہ کے فرمانبردار نبیوں اور مخلص علما و فقہا نے خود اس کی اطاعت کی اور اس کے قوانین و احکام کے مطابق وہ یہودیوں کے معاملات و مقدمات کے فیصلے کرتے رہے اور اپنے اندر برابر اس احساس ذمہ داری کو زندہ رکھا کہ وہ خدا کی طرف سے اس کے امین و محافظ اور اس کے گواہ بنائے گئے ہیں اس وجہ سے نہ تو اس میں ان کے لیے کوئی خیانت جائز ہے اور نہ اس کے اظہار و اعلان میں کوئی کوتاہی روا ہے۔ یہ اللہ کا عہد و میثاق ہے جو بہر حال انھیں پورا کرنا ہے ــــ یہ آئینہ وقت کے یہود کے سامنے اس غرض سے رکھا گیا ہے کہ وہ اس میں دیکھیں کہ تورات سے متعلق ان پر کیا ذمہ داریاں عائد تھیں، ان کے صالح اسلاف نے ان ذمہ داریوں کو کس طرح نبھایا اور اب انھوں نے کس طرح اس عہد الٰہی کو بچوں کا کھیل بنا رکھا ہے۔

کتاب الٰہی کا حقیقی مقصد

'يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ' میں مضارع سے پہلے عربیت کے عام قاعدے کے مطابق 'كَانَ' کا صیغہ محذوف ہے یعنی كَانَ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ (انبیاء اس کے ذریعہ سے یہود کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے) حکم کے لفظ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ کتابِ الٰہی کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ زندگی کے معاملات و نزاعات میں امر و حکم اور فیصلہ و قضا کا ذریعہ بنے اور تمام اجتماعی و سیاسی اور قانونی معاملات اسی کی ہدایات کے مطابق اور اسی کی روشنی میں انجام پائیں۔ اگر اس کی یہ حیثیت باقی نہ رہے بلکہ وہ صرف تبرک بنا کے رکھ چھوڑی جائے، یا اس کے الفاظ کی تلاوت کر لی جائے یا اس کو صرف مردے بخشوانے کا وسیلہ سمجھ لیا جائے، زندگی کے معاملات و مسائل سے نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہے بلکہ مرتجا

اس کے احکام کے خلاف احکام و قوانین بنائے جائیں تو یہ اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق ہے۔

یہود پر ایک لطیف تعریض

انبیاء کے لیے اَلَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا کی صفت سے اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ یہ انبیاء جو تورات کے احکام کے مطابق یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، صرف دوسروں ہی کے لیے تورات کو واجب العمل نہیں سمجھتے تھے بلکہ خود بھی خدا کے فرمانبردار اور تورات کے احکام و قوانین کے پابند تھے۔ اس میں ایک لطیف تعریض ہے ان علمائے یہود پر جنھوں نے اول تو تورات کو زندگی کے معاملات سے بالکل بے دخل کر رکھا تھا اور اگر کسی دائرے میں اس کو جگہ دی بھی تھی تو اس کی نوعیت یہ تھی کہ دوسروں کو تو اس کا حکم دیتے تھے لیکن خود اپنے آپ کو اس کا مخاطب نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن مجید نے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کے الفاظ سے ان کی اسی حالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

یہود کو ایک یاددہانی

'ربانی' اور 'احبار' عربی زبان میں اہل کتاب سے آئے ہوئے الفاظ ہیں۔ 'ربانی' سے مراد علما ہیں اور 'احبار' کا غالب استعمال فقہا اور قضاۃ کے لیے ہے۔ یہ دونوں الفاظ یہاں اپنے حقیقی مفہوم یعنی علمائے حقانی اور دیانت دار وراست باز فقہا و قضاۃ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا کے فرماں بردار انبیاء ٹھیک تورات کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے رہے ہیں اسی طرح حق پرست علما اور راست باز فقہا بھی اپنے فتوے اور فیصلے اس کی روشنی میں صادر کرتے رہے ہیں۔ یہاں بھی وقت کے علمائے یہود اور ان کے فقہاء کو نہایت لطیف طریقے پر توجہ دلائی ہے کہ تم جن اسلاف کے اخلاف ہو ان میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو تمھاری طرح خدا کی کتاب کے معاملے میں چور اور بددیانت نہیں تھے۔

عہد الٰہی کی پاسبان خشیت الٰہی ہے

'بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ' میں اس ذمہ داری کا بیان ہے جس کے وہ حامل بنائے گئے تھے اور جس کے صحیح احساس ہی نے ان کی عناں گیری کی جس کے سبب سے ان کو کتاب اللہ کا حق ادا کرنے کی توفیق ملی۔ وہ یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی کتاب کا محافظ و امین اور خلق کے سامنے اس کا شاہد اور گواہ بنایا تھا اور ہر گروہ جو اللہ کی کتاب کا حامل بنایا جاتا ہے وہ درحقیقت اس کا محافظ اور گواہ ہی ہوتا ہے۔ یہ الفاظ بھی وقت کے یہود اور ان کے علماء و فقہا کو یاددہانی کر رہے ہیں کہ وہ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ پاسبان ہو کر انھوں نے خدا کے حرم میں کس طرح نقب لگائی ہے اور گواہ ہو کر کس طرح کتمان شریعت میں مہارت دکھائی ہے۔

'فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا'، عام طور پر مفسرین نے اس ٹکڑے کو اوپر کے سیاق و سباق سے الگ کر کے وقت کے یہود سے خطاب کے مفہوم میں لیا ہے۔ اگرچہ الفاظ میں یہ مفہوم لینے کی بھی گنجائش ہے لیکن میرا رجحان اس طرف ہے کہ اس کا تعلق بھی اوپر کے ٹکڑے ہی سے ہے البتہ قرآن کے معروف طریقے کے مطابق یہاں اسلوب غائب کے بجائے حاضر کا ہو گیا ہے

قرآن مجید میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ بات غائب کے صیغے سے کہتے کہتے اچانک اسلوب حاضر کا آجاتا ہے۔ یہ تبدیلی کلام میں تنوع بھی پیدا کر دیتی ہے اور صورتِ حال کا نقشہ سامنے آجانے کے سبب سے قاری اور سامع پر اس کا اثر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً سورہ انعام میں ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ (اور جس دن جن وانس سب کو اکٹھا کرے گا، اے جنوں کے گروہ تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو اپنے دام میں پھنسا لیا) پھر آگے ہے وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۔۱۳۰ (اور اسی طرح ہم ظالموں میں سے ایک کو دوسرے پر ان کے اعمال کی پاداش میں مسلط کر دیتے ہیں، اے جنوں اور انسانوں کے گروہ .....) یہی اسلوب سورۂ بقرہ کی آیت وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۱۲۵ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کے محل میں ہم نے اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ ہمارے نزدیک یہی اسلوب مائدہ کی اس آیت میں بھی ہے۔ یعنی یہ بات ان شہداء سے خطاب کر کے کہی گئی تھی جن کا ذکر پہلے گزرا لیکن اس کو غائب کے صیغہ سے بیان کرنے کے بجائے حاضر کے صیغہ میں فرمایا تاکہ کلام زیادہ مؤثر ہو جائے۔

یہ ملحوظ رہے کہ تورات میں جہاں جہاں یہود سے پابندی احکام شریعت کے عہد لینے کا ذکر آیا ہے وہاں حضرت موسیٰ کی طرف سے ان باتوں کی تاکید ضرور آتی ہے جن کی طرف قرآن کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ یعنی خداوند خدا ہی سے ڈرنا، اس کے حکموں کے معاملے میں کسی کی پروا نہ کرنا، اس کی شریعت کو دنیا کے حقیر فوائد پر قربان نہ کرنا۔ غور کیجیے تو یہ باتیں اس امانت اور شہادت کا لازمی تقاضا ہیں جن کا بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ میں ذکر آیا ہے۔ جو گروہ کتاب الٰہی کا گواہ بنایا گیا ہے اس کے لیے واجب ہے کہ وہ صرف خدا ہی سے ڈرے، دوسروں کا خوف و رعب اپنے سینے سے نکال دے۔ اس کے بغیر ہر طرح کے حالات میں اس کے لیے کتابِ الٰہی کی شہادت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جو جماعت کتاب الٰہی کی امین بنائی گئی ہے اس پر حرام ہے کہ وہ اپنے دنیوی مفادات و اغراض کی خاطر خدا کی اس امانت میں خیانت کرے اور کتاب الٰہی پر تاویل و تحریف کی قینچی چلائے۔ مزید غور کیجیے تو یہ حقیقت بھی واضح ہو گی کہ میثاقِ الٰہی کی انہی ہدایات کو فراموش کر دینے کی وجہ سے یہود شُهَدَاءَ لِلَّهِ اور أُمَنَاءَ اللَّهِ ہونے کے بجائے سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ اور أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ بن کر رہ گئے جس کے سبب سے خدا نے ان پر لعنت کر دی۔

حقیقی

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ، اس ٹکڑے کا عطف چونکہ اوپر والے ٹکڑے ہی پر ہے اس وجہ سے جو حکم اس کا ہے وہی حکم اس کا بھی ہے۔ یعنی یہ نتیجہ بھی اس تنبیہ کا ایک حصہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن کو شریعت کا امین اور گواہ بنایا ہے اگر انہی کے معاملات کے فیصلے شریعت کے مطابق نہ ہوئے تو حقیقی کافر وہی ہیں۔ اس تاکید

اور زور کے ساتھ ان کے کافر قرار دینے کی وجہ وہ اہتمام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی شریعت اور کتاب کی تعلیم دینے، اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے اور اس راہ کے خطرات سے متنبہ کرنے کے لیے فرمایا۔ جو لوگ اس سارے اہتمام کے بعد بھی راہ حق سے بھٹک گئے انھوں نے گویا پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی اس وجہ سے یہ تمام اندھوں سے بڑھ کر اندھے ہیں۔ یہ آیت اگرچہ ہے تو یہود سے متعلق لیکن بعینہٖ یہی جرم اگر مسلمانوں کے کسی گروہ سے صادر ہو کہ وہ اختیار و آزادی رکھتے ہوئے کتاب الٰہی کے مطابق معاملے کا فیصلہ نہ کریں، بلکہ علی الاعلان اس سے انحراف اختیار کریں تو ان کا حکم بھی یہی ہوگا اور یہی ہونا چاہیے آگے اس کی وضاحت آئے گی۔

'وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ الآيۃ' یہ تورات کے اس قانون کا حوالہ ہے جو خروج ۲۱: ۲۳، ۲۵، احبار ۲۴: ۲۰، استثنا ۱۹: ۲۱ میں مذکور ہے۔ یہ حوالہ اس بات کی تصدیق کے لیے دیا گیا ہے جو اوپر آیت ۴۳ میں مذکور ہوئی ہے کہ تورات میں حدود و تعزیرات کے واضح احکام کی موجودگی میں آخر یہ یہود کس طرح تمھیں حکم بنا کر تمھارے فیصلے سے گریز کرتے ہیں اور اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دراصل یہ حدود ہی کے معاملات تھے جو یہود کے لیے سب سے زیادہ مزلّۂ قدم ثابت ہوئے۔ اول تو انھوں نے تحریف کر کے ان کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ پھر جو احکام تحریف کی دستبرد سے بچ رہے ان سے بھی فرار کے لیے انھوں نے مختلف قسم کے حیلے نکال لیے۔

'فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ' میں 'لَہٗ' کے مرجع کے بارے میں اصحاب تاویل کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک اس کا مرجع شخص مجروح ہے۔ یعنی اگر مجروح اپنے مجرم کو بخش دے، اس سے بدلہ نہ لے، تو اس کی یہ نیکی اس کے گناہوں کے لیے کفارہ بنے گی، گویا یہ ٹکڑا مجروح کے لیے ترغیب ہے کہ وہ مجرم کو معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک جس میں ابن عباس، مجاہد اور ابراہیم و شعبی جیسے اکابر تفسیر شامل ہیں، اس کا مرجع جارح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مجروح (اور بصورت قتل، اولیائے مقتول) مجرم کو معاف کر دے تو یہ معافی مجرم کے لیے کفارہ بن جائے گی، حکومت اس پر کوئی گرفت نہیں کرے گی اور اگر مجرم توبہ کرے گا تو عند اللہ بھی یہ معافی اس کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ میرا رجحان اسی دوسری تاویل کی طرف ہے۔ قرآن کے الفاظ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

'وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ' اوپر یہی مضمون بیان کرتے ہوئے 'کافرون' کا لفظ آیا ہے۔ یہاں 'ظٰلمون' کا لفظ ہے۔ لفظ ظلم ہلکے معنی میں نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ قرآن میں خدا اور بندوں کے سب سے بڑے حقوق کے تلف کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے چنانچہ شرک کو ظلم سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس پر عمل کی آزادی رکھتے ہوئے اس کے قانون کو نظر انداز کرتے ہیں وہ خدا کا بھی سب سے بڑا حق تلف کرتے اور خود اپنے نفس اور اللہ کے دوسرے بندوں کا بھی

ظالم

سب سے بڑا حق تلف کر گئے ہیں اور در حقیقت اصلی ظالم یہی لوگ ہیں۔ یہ آیت بھی اگرچہ یہود کے جرائم کے بیان کے سیاق میں ہے۔ لیکن یہی جرم مسلمانوں سے صادر ہو رہا جس کی شہادت ہر مسلمان ملک میں موجود ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس کا حکم اس سے الگ کس بنیاد پر ہوگا۔ خدا کا قانون تو سب کے لیے ایک ہی ہے؛

آیت کا حکم ہے یا منسوخ

یہ آیت قصاص، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، تورات کے ایک حکم کے حوالہ کے طور پر وارد ہوئی ہے لیکن کوئی اشارہ چونکہ اس کے منسوخ ہونے کا موجود نہیں ہے بلکہ انداز بیان اس کے محکم ہونے پر دلیل ہے اس وجہ سے یہی قانون اس امت کے لیے بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں لفظ قصاص پر بحث کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ اپنے عام استعمال میں یہ لفظ قصاص جانی و مالی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اگر دیت پر راضی نامہ ہو جائے یا دیت ہی تقاضائے انصاف قرار پائے تو دیت ہی قصاص سمجھی جائے گی۔ تفصیلات اس کی فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ (۴۶-۴۷)

انبیاء کی باہمی مماثلت ایک علامت شناخت ہے

'وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ'۔ 'قَفَّيْتُ عَلٰی اَثَرِهٖ بِفُلَانٍ' کے معنی ہوں گے، میں نے اس کو اس کے پیچھے بھیجا۔ مطلب یہ ہے کہ انہی انبیاء کے نقش قدم پر جن کا ذکر اوپر گزرا ہم نے عیسٰی بن مریم کو بھیجا جو ٹھیک اسی مقصد کے ساتھ آئے جس مقصد کے لیے ان کے پیشوا انبیاء آئے تھے۔ 'عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ' کے لفظ سے انبیاء کی دعوت، ان کے مقصد، ان کے مزاج، کردار اور طریق کار کی یکسانی اور ان کی باہمی مشابہت کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ چیز منجملہ علامات نبوت کے ہے۔ جس طرح ایک ہی شجرہ طیبہ کے برگ و بار میں مماثلت ہوتی ہے اسی طرح اس مقدس گروہ کے افراد میں مماثلت ہوتی ہے کہ جو ان میں سے ایک کو پہچان گیا وہ گویا سب کو پہچان گیا۔ ان کی شناخت کے معاملے میں التباس انہی کو پیش آتا ہے جو یا تو اندھے ہوتے ہیں یا اندھے بن جاتے ہیں، جن کے اندر بصیرت ہوتی ہے وہ کبھی دھوکا نہیں کھاتے۔

نبی اپنی دعوت سے کوئی الگ چیز نہیں

'وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ'۔ 'فِيهِ هُدًى وَنُورٌ' کا جملہ چونکہ حال واقع ہوا ہے اس وجہ سے 'مُصَدِّقًا' کا عطف اس پر موزوں ہوا۔ یہاں حضرت مسیح اور انجیل دونوں کی شان میں فرمایا ہے کہ 'مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ' اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ نبی اپنی دعوت و رسالت سے کوئی الگ چیز نہیں ہوتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیشینگوئی ان کے پیشرو انبیاء کے صحیفوں میں موجود تھی جس کی آپ کی بعثت سے تصدیق ہوئی تھی اور یہ

چیز منجملہ آپ کے دلائلِ نبوت کے تھی۔ تیسری یہ کہ انجیل نے، جہاں تک شریعت کا تعلق ہے، کوئی نئی شریعت نہیں دی ہے بلکہ یہود کی بعض بدعات کی اصلاح کے ساتھ پوری سابق شریعت کی تصدیق کر دی ہے۔

انجیل دیتے وقت اہلِ انجیل کو ہدایت

'وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ' اور پر ہم نے جو محل 'فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ' والے جملہ کا قرار دیا ہے وہی محل ہمارے نزدیک یہاں اس جملے کا ہے یعنی اہلِ انجیل کو انجیل دیتے وقت یہ ہدایت دی گئی کہ وہ اپنے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کریں گے، ورنہ وہ فاسق ٹھہریں گے۔ مقصود اس کا، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہ واضح کرنا ہے کہ خدا نے اپنی جو کتاب بھی اتاری اسی مقصد سے اتاری کہ زندگی کے معاملات و نزاعات میں لوگ اس کو حکم بنائیں، نہ اس لیے کہ جزدوان میں لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دیں اور آپس میں جو قضیے پیدا ہوں ان کو طاغوت کے پاس لے جائیں یا ان کو طے کرنے کے لیے من مانے طریقے ایجاد کریں۔ بعض لوگوں نے 'وَلْيَحْكُمْ' کو 'وَلِيَحْكُمَ' بھی پڑھا ہے۔ ہمارے نزدیک قرأت کے اس قسم کے سارے اختلافات تاویل کے اختلاف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی اس قرأت سے بھی یہی بات سمجھانی چاہی ہے کہ اہلِ انجیل کو بھی انجیل اس لیے دی گئی تھی کہ یہ اس کی روشنی میں اپنے معاملات کے فیصلے کریں۔

اصل فاسق

'فَاسِقٌ' کا لفظ یہاں فقہی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم مختلف مقامات میں واضح کرتے آئے ہیں، خدا سے غداری، عہد شکنی اور سرکشی کے مفہوم میں ہے۔ گویا جو لوگ جانتے بوجھتے اور آزادی و اختیار رکھتے ہوئے اللہ کے احکام و قوانین کے خلاف فیصلے کرتے اور کراتے ہیں وہ کافر، ظالم اور فاسق ٹھہریں گے۔ یہ تنبیہ اس میثاقِ الٰہی کا ہمیشہ سے ایک جزو لاینفک رہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے ان کو کتاب حوالہ کرتے وقت باندھا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (۴۸ - ۵۰)

حاملینِ قرآن کی ذمہ داری

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ بعینہٖ انہی ذمہ داریوں اور اسی عہد و میثاق کے ساتھ یہ کتاب تمہارے حوالے کی جا رہی ہے تو تم ان کے درمیان بہر حال اللہ کی اس کتاب کے مطابق ہی فیصلہ کرو۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اس سیاق میں 'بالحق' کے معنی قولِ فیصل کے ہوتے ہیں۔ اہلِ کتاب نے اپنے

صحیفوں کو تحریفات کے ذریعے سے حق و باطل دونوں کا مجموعہ بنا دیا تھا۔ قرآن نے اللہ کا دین تمام آمیزشوں اور تحریفات سے پاک کر کے بالکل ٹھیک ٹھیک پیش کر دیا۔ 'مُصَدِّقًا' کی تاویل مختلف مقامات میں گزر چکی ہے۔

'مہیمن' کا مفہوم

'مُهَيْمِنٌ' اصل میں 'مُأَيْمِنٌ' ہے۔ دوسرا ہمزہ ی سے اور پہلا ہ سے بدل گیا ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے (۲۳۔ حشر) اور قرآن کی صفت کے طور پر بھی۔ 'ھیمن الطائر علی فراخہ' کا مطلب یہ ہوگا کہ پرندہ اپنے بچوں کے اوپر پر پھیلائے ہوئے منڈلا رہا ہے، گویا ان کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے۔ 'ھیمن فلان علی کذا' فلاں اس چیز کا محافظ اور نگران بن گیا۔ اپنے سے سابق صحیفوں پر قرآن کے 'مُهَيْمِن' ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اصل معتمد نسخہ کتاب الٰہی کا ہے اس لیے وہ دوسرے صحیفوں کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے کسوٹی ہے۔ جو بات اس کسوٹی پر کھری ثابت ہوگی وہ کھری ہے، جو اس پر کھوٹی ثابت ہوگی وہ محرّف ہے۔ یہاں 'الکتاب' کا لفظ واحد استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے اصل شریعت کے اعتبار سے کتاب الٰہی کی حیثیت درحقیقت تورات ہی کو حاصل ہے، بقیہ صحائف اس کے اجزا و فروع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

'فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ'، قرآن سے متعلق یہ اسی طرح کا عہد و میثاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطے سے آپ کی امت سے لیا گیا ہے جس طرح کا عہد تورات اور انجیل سے متعلق ان کے حاملین سے لیا گیا اور جس کا ذکر اوپر گزرا۔ مطلب یہ ہے کہ اب یہی کتاب حق و باطل کی کسوٹی اور احکام الٰہی کا قابلِ اعتماد مجموعہ ہے تو تم لوگوں کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آچکا ہے، ہرگز اس سے منحرف ہو کر ان منافقین اور یہود کی خواہشات و بدعات کی پیروی نہ کرنا جو اپنی خواہشوں کے مطابق فیصلے حاصل کرنے کے لیے تمہارے پاس آتے ہیں۔ یہ بات یہاں بغیر کسی اظہار کے ظاہر ہے کہ اس حق کو چھوڑ کر کسی باطل کے مطابق معاملات کے فیصلے کرنا اسی طرح کفر، ظلم اور فسق ہے جس طرح اوپر تورات و انجیل سے متعلق مذکور ہوا۔

'لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ' اس ٹکڑے کے صحیح موقع و محل اور اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیے بقرہ کی مندرجہ ذیل آیات پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ یہ دونوں بالکل ایک ہی موقع و محل کی آیات ہیں اور ایک ہی حقیقت کو واضح کر رہی ہیں۔

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا	اور اگر تم ان اہل کتاب کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لا کر رکھ دو جب بھی تمہارے قبلہ کی یہ پیروی نہیں کریں گے اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنے کے، اور نہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے کا۔

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(البقرۃ ۲: ۱۴۵ - ۱۴۸)

اور اگر تم ان کی خواہشوں کی پیروی کرو گے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم حق آ چکا ہے تو تم اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے بن جاؤ گے۔ جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اس کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ البتہ ان میں سے ایک گروہ حق کو جانتے بوجھتے چھپاتا ہے۔ یہی حق ہے تیرے رب کی جانب سے تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو، ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے، وہ اسی کی طرف رخ کرے گا تو تم بھلائیوں کی سمت میں سبقت کرو، جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس طرح یہاں سیاق وسباق دلیل ہے کہ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ کا ٹکڑا، جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں، اہل کتاب کے ساتھ رواداری کے اظہار کے لیے نہیں بلکہ ان کے رویہ سے بیزاری کے اظہار کے لیے ہے اسی طرح مائدہ کی زیر بحث آیت میں لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا کا ٹکڑا بھی اہل کتاب کے ساتھ اظہار رواداری کے لیے نہیں بلکہ ان کے رویہ سے اظہار بیزاری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے تسکین وتسلی اور راہ حق میں سبقت کی دعوت کے لیے ہے
اسی طرح سورۂ حج میں ارشاد ہوا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۔ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۔

(حج - ۶۷-۶۹)

ہم نے ہر امت کے لیے ایک طریقہ عبادت ٹھہرایا وہ اسی پر چلیں گے تو وہ تم سے جھگڑنے کی کوئی راہ اس معاملے میں نہ پائیں اور تم اپنے رب کی طرف بلاتے رہو اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن اس چیز میں جس میں تم اختلاف کر رہے ہو۔

آیت زیر بحث میں لِكُلٍّ سے مراد وہی تینوں گروہ مراد ہیں جن کا اوپر ذکر گزرا یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمان۔ فرمایا کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شرعۃ اور منہاج مقرر کیا ہے۔ شرعۃ اور منہاج سے مراد شریعت کا وہ ظاہری ڈھانچہ اور قالب ہے جو دین کے حقائق کو بروئے کار لانے کے لیے ہر مذہب میں اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً عبادتِ الٰہی ایک حقیقت ہے جس کو مختلف مذاہب میں نماز،

قربانی اور حج کی مختلف شکلوں صورتوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ بعض حقائق کے لیے قالب خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے۔ بعض کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن سے نبی نے مقرر فرمایا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ پہلے کے لیے 'شرعت' کا لفظ استعمال ہوا ہے، دوسرے کے لیے منہاج کا۔

مختلف امتوں کی شریعت کے اختلاف کی حکمت

جہاں تک دین کے حقائق کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے غیر متغیر ہیں اور غیر متغیر ہی رہیں گے لیکن شریعت کے ظواہر و رسوم ہر امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ مقرر فرمائے تاکہ یہ چیز امتوں کے امتحان کا ذریعہ بنے اور وہ دیکھے کہ کون ظواہر و رسوم کے تعصب میں گرفتار ہو کر حقائق سے منہ موڑ لیتا ہے اور کون حقیقت کا طالب بنتا ہے، اور اس کو ہر اس شکل میں قبول کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے جس میں وہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اس کے سامنے آتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں، قبلہ کی بحث میں اس امتحان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿البقرۃ - ۲: ۱۴۳﴾	اور ہم نے اس قبلہ کو، جس پر تم تھے، نہیں جائز رکھا تھا مگر اس لیے کہ ہم چھانٹ کر الگ کر دیں ان لوگوں کو جو رسول کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو پیٹھ پیچھے پھر جاتے ہیں، اگرچہ یہ بہت بھاری بات تھی مگر ان لوگوں کے لیے جن کو اللہ نے ہدایت کی توفیق بخشی اور اللہ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ تمھارے ایمان کو برباد کر دے، اللہ تو لوگوں پر بڑی رافت و رحمت رکھنے والا ہے۔

یہ حکمت واضح فرمائی گئی ہے اس بات کی کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اول اول اہل کتاب کے قبلہ پر باقی رکھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو چھوڑ کر بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم دیا، ایسا کیوں نہ ہوا کہ پہلے ہی روز سے بیت اللہ ہی کو قبلہ قرار دے دیا جاتا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ یہ تبدیلی مخلصین و منافقین کے درمیان امتیاز کا ایک ذریعہ بنے۔ اس امتحان کے ذریعہ سے اس نے حق کے طالبوں اور رسول کے مخلص پیرووں کو ان لوگوں سے الگ کر دیا جو محض ظاہر دارانہ طور پر رسول کے ساتھ ہو گئے تھے، فی الحقیقت انھوں نے کوئی تبدیلی قبول نہیں کی تھی بلکہ بدستور اپنے پچھلے رسوم و قیود میں گرفتار تھے۔

اسی طرح آیت زیر بحث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ منافقین اور یہود جو تم سے اور تمھاری لائی ہوئی شریعت سے بدکتے ہیں تو تم ان کی پروا نہ کرو۔ یہ اپنے پچھلے رسوم و قیود میں گرفتار ہیں، ان کا تعصب ان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ ان سے آزاد ہو کر اس حق کو شرح صدر کے ساتھ اپنا لیں جو تم نے ان کے

سامنے پیش کیا ہے۔ اللہ نے ہر امت کے لیے شریعت اور منہاج الگ الگ بنائے ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی منہاج دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ منہاج کی اس تبدیلی کو لوگوں کے امتحان کا ذریعہ بنائے اور دیکھے کہ کون حق کا طالب بنتا ہے اور کون صرف لکیر کا فقیر اور رسوم و ظواہر کا غلام بن کے رہ جاتا ہے۔ اللہ عقل، اختیار اور شریعت کی جو نعمت دیتا ہے اس میں وہ لوگوں کا امتحان کرتا رہتا ہے کہ کون ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے، ان کی قدر کر رہا ہے، ان کے مغز اور قشر میں امتیاز رکھتا ہے اور کون بالکل اندھا بہرا بن کر محض رسم کا پجاری بن کر رہ گیا ہے تو تم ان اندھوں بہروں کو ان کے حال پر چھوڑو اور پیغمبر نے تمہارے سامنے حصولِ قربِ الٰہی کا جو میدان کھولا ہے اس میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ یہاں یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ' والے ٹکڑے کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر منافقین اور ان کے مرشد یہود کفر کی راہ میں مسابقت کر رہے ہیں تو ان کی اس بدبختی پر غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اہل ایمان، ایمان کے میدان میں بازی جیتنے کی کوشش کریں۔

'اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا الآیۃ' یعنی اس دنیا میں تو بہرحال آزادی حاصل ہے، کوئی شخص چاہے کفر کی راہ اختیار کرے، چاہے ایمان کی لیکن منزل ہر شخص کی ایک ہی ہے۔ لوٹنا سب کو خدا ہی کی طرف ہے، ایک دن یہ سارا اختلاف اسی کے سامنے پیش ہوگا اور وہ اس اختلاف کا فیصلہ فرمائے گا۔

'وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الآیۃ' مجھے بار بار یہ خیال ہوتا ہے کہ اس ٹکڑے کا عطف اوپر 'فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ' والے ٹکڑے پر ہے۔ بیچ میں لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً الآیۃ والا ٹکڑا بطور ایک جملہ معترضہ کے آگیا ہے۔ جملہ معترضہ کے ختم ہونے کے بعد سلسلہ کی اصل بات کا از سر نو حوالہ دے کر مزید تنبیہ فرمائی کہ 'وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکَ' ہوشیار رہو کہ مبادا وہ تمہیں فتنہ میں ڈال کر خدا کی اتاری ہوئی کسی بات سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس مزید تنبیہ کی ضرورت اس لیے تھی کہ یہ مرحلہ کوئی آسان مرحلہ نہیں تھا۔ مخالف قوتیں آسانی سے سپر انداز ہونے والی نہیں تھیں۔ فتنہ کا لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ وہ پیغمبر اور مسلمانوں کو میثاق الٰہی سے ہٹانے کے لیے اپنا پورا زور لگا دیں گی۔ اس خطرے سے بچانے کے لیے آگاہ فرما دیا کہ وہ خواہ کتنا ہی زور لگائیں اور کتنا ہی دباؤ ڈالیں تمہیں بہرحال اللہ کی اتاری ہوئی شریعت ہی کی پیروی کرنی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات و بدعات کی پیروی نہیں کرنی ہے۔

مخالفین کو تہدید

'فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ الآیۃ' مطلب یہ ہے کہ تم موقف حق پر جمے رہو، اگر شریعت الٰہی کو چھوڑ کر یہ شریعت جاہلیت ہی کی پیروی پر اڑے رہے تو سمجھ لو کہ ان کی شامت آئی ہوئی ہے اور وقت آگیا ہے کہ ان کے بعض جرائم کی سزا میں ان پر خدا کا عذاب آدھمکے۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ قوموں کے اجتماعی جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں دے دیتا ہے، آخرت میں لوگ اپنی انفرادی حیثیتوں میں اپنے اعمال

کے لیے جواب دہ ہوں گے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ، یہ دلیل بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں یہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب آدھمکے۔ فرمایا کہ اس لیے کہ ان کی اکثریت خدا کی باغی اور نافرمان ہے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ الآیۃ یعنی خدا کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر اگر یہ کہیں اور سے فیصلہ چاہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی شریعت پر جاہلیت کے قانون کو ترجیح دیتے ہیں اور کسی مدعی شریعت گروہ کی اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو لوگ خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے خدا کے قانون اور خدا کے فیصلے سے بڑھ کر کس کا قانون اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر ان کے نزدیک کوئی اور قانون خدا کے قانون سے بڑھ کر ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو خدا اور آخرت کسی چیز پر بھی یقین نہیں ہے۔

خدا کے قانون کے خلاف ہر قانون قانونِ جاہلیت ہے

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ "حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ" کا لفظ "مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" کے بالمقابل استعمال ہوا ہے اس وجہ سے ہر وہ قانون جو خدا کے اتارے ہوئے قانون کے خلاف ہے وہ جاہلیت کا قانون ہے، خواہ وہ قرونِ مظلمہ کی تاریکی میں وجود پذیر ہوا ہو یا بیسویں صدی کی روشنی میں۔

۱۸۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۵۱-۶۶

آگے مسلمانوں کو پہلے عام طور پر اور منافقین کو خاص طور پر آگاہ فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا معتمد اور دوست نہ بناؤ، جو لوگ ان کو اپنا معتمد اور دوست بنائیں گے وہ ادعائے ایمان کے باوجود انہی میں شامل ہوں گے اور ان کا حشر انہی کے ساتھ ہو گا۔ پھر ان منافقین کے باطن سے پردہ اٹھایا اور بتایا ہے کہ یہ کفر کی راہ میں جو سبقت کر رہے ہیں اس کے محرکات کیا ہیں اور بالآخر اس کا انجام کیا ہونا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی واضح فرما دیا کہ ان کی یہ روش ارتداد کی روش ہے اور اگر یہ ارتداد اختیار کرنا چاہتے ہیں تو کریں، خدا کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر یہ مرتد ہو جائیں گے تو اللہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لائے گا جو ایمان و اخلاص کے تمام اوصاف سے متصف ہوں گے، خدا ان سے محبت کرے گا، وہ خدا سے محبت کریں گے، وہ اللہ کی پارٹی بنیں گے اور یہی پارٹی بالآخر غالب ہو گی۔

اس کے بعد ان منافقین کو غیرت دلائی ہے کہ آخر تم ان لوگوں کو کس طرح اپنا دوست اور معتمد بناتے ہو جو علانیہ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے اور اس کی تحقیر کرتے ہیں۔ پھر اہلِ کتاب کو ان کی ان شرارتوں پر سرزنش فرمائی اور ان کے اس انجام سے ان کو آگاہ فرمایا جس کے وہ اپنی بدبختیوں کے سبب سے سزاوار ٹھہرے۔ اسی ضمن میں ان کے علماء اور فقہا کو بھی سرزنش فرمائی کہ اگر وہ ان کو ان بے ہودگیوں اور حرام خوریوں سے نہیں روکتے تو آخر وہ کس مرض کی دوا ہیں۔ آخر میں یہ واضح فرمایا کہ یہ تمام شرارتیں دینِ حق کے خلاف کر رہے ہیں، اللہ ان میں سے کسی کو بھی کامیاب نہ ہونے دے گا بلکہ یہ ہر قدم پر

منہ کی کھائیں گے۔ بہتر ہوتا کہ یہ اچھی روش اختیار کرتے اور اللہ کے انعام کے سزاوار بنتے لیکن ان پر ان کی شامت مسلط ہو چکی ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۵۱-۶۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ

اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾
وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ
مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ
وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ
ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۚ
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا
جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا
بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ
عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ
اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ تخفلازم
يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَ
يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۴
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۶۵ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ
وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶ ع ۱۴

ترجمہ آیات ۵۱-۶۶

اے ایمان والو، تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کو اپنا دوست بنائے گا تو وہ انہی میں سے ہے۔ اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔ تم ان لوگوں کو، جن کے دلوں میں روگ ہے، دیکھتے ہو کہ وہ ان کی طرف پینگیں بڑھا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ تو بہت ممکن ہے کہ اللہ فتح یا اپنی طرف سے کوئی خاص بات دکھائے اور انھیں اس چیز پر جو یہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، نادم ہونا پڑے۔ اور اس وقت اہل ایمان کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑے زور و شور سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے سارے اعمال ڈھے گئے اور وہ نامراد ہوئے۔ ۵۱-۵۳

اے ایمان والو، جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا، تو اللہ کو کوئی پروا نہیں، وہ جلد ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت

کریں گے، وہ مسلمانوں کے لیے نرم مزاج اور کافروں کے مقابل میں سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے بخشے گا اور اللہ بڑی سمائی رکھنے والا اور علم والا ہے۔ ۵۴

تمھارے دوست اور معتمد تو بس اللہ، اس کا رسول اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں فروتنی کے ساتھ۔ اور جو اللہ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان کو دوست بناتے ہیں تو وہ اللہ کی پارٹی ہیں اور اللہ ہی کی پارٹی ہے جو غالب رہنے والی ہے۔ ۵۵-۵۶

اے ایمان والو، ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو مذاق اور کھیل بنا لیا ہے، ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، اور نہ کفار کو۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو اور جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو یہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، یہ اس وجہ سے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ ان سے کہو کہ اے اہلِ کتاب، تم ہم پر بس اس بات کا غصہ نکال رہے ہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس چیز پر جو ہماری طرف بھیجی گئی اور اس چیز پر جو پہلے اتاری گئی اور تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ کہو کیا میں تمھیں باعتبارِ انجام اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برے لوگوں کا پتہ دوں؟ یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اس کا غضب ہوا اور جن کے اندر سے اس نے بندر اور سور بنائے اور جنھوں نے طاغوت کی پرستش کی۔ یہ ٹھکانے کے لحاظ سے بدتر اور اصل شاہراہ سے بعید تر ہیں۔ ۵۷-۶۰

اور جب یہ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں حالانکہ وہ

کفر کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ نکلتے ہیں، اور اللہ خوب واقف ہے اس چیز سے جس کو وہ چھپا رہے ہیں۔ تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ حق تلفی، زیادتی اور حرام خوری کی راہ میں گرم رو ہیں۔ کیا ہی برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ ان کے علما اور فقہا ان کو گناہ کی بات کہنے اور ان کو حرام کھانے سے روکتے کیوں نہیں، کتنی بری ہے یہ حرکت جو یہ کر رہے ہیں۔ ۶۱-۶۳

اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہاتھ ان کے بندھ جائیں اور ان کی اس بات کے سبب سے ان پر لعنت ہو بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور ان کے کفر کو وہ چیز بڑھا رہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے تیری طرف اتاری گئی ہے اور ہم نے ان کے اندر دشمنی اور کینہ قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے۔ جب جب یہ لڑائی کی کوئی آگ بھڑکائیں گے اللہ اس کو بجھا دے گا۔ یہ زمین میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۶۴

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان سے ان کے گناہ جھاڑ دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ تورات اور انجیل اور اس چیز کو قائم کرتے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے قدموں کے نیچے سے خدا کا رزق و فضل پاتے۔ ان میں ایک راست رو جماعت بھی ہے لیکن زیادہ ان میں سے ایسے ہیں جن کے عمل بہت برے ہیں۔ ۶۵-۶۶

۱۹- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵۱)

منافقین سے خطاب

خطاب اگرچہ مسلمانوں سے عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ روئے سخن ان منافقین ہی کی طرف ہے جن کا ذکر آیت ۴۱ سے چلا آ رہا ہے۔ اور جن کی صفت اَلَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ بیان ہوئی ہے۔ یہ لوگ، جیسا کہ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ کے تحت واضح کر چکے ہیں، یہود کے زیرِ اثر تھے، اور دعویٰ اگرچہ ایمان کا کرتے تھے لیکن عملاً یہود کی مقصد برآریوں میں ان کے آلۂ کار اور ان کے ایجنٹ تھے۔ ان کو یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا معتمد اور کارساز نہ بناؤ۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ دوست بنانے کی یہ ممانعت مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ کی قید کے ساتھ وارد ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے مقابل میں ان کو دوست نہ بناؤ۔ اگر یہ موالات اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہو یا کم از کم یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نہ ہو تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ ترکِ موالات کا حکم

یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاملہ جماعتی حیثیت سے

'بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس معاملے میں انفرادی مصالح اور انفرادی مراسم کو کوئی وزن نہیں دینا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ میں سے کسی فرد یا گروہ کو اچھا سمجھے یا اس کے ساتھ اس کی کوئی ضرورت وابستہ ہو یا سابق رشتہ داری ہو اور اس چیز کو وہ ان کے ساتھ ربط و ضبط قائم رکھنے کے لیے عذر بنائے لیکن یہ چیز صحیح نہیں ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لیے ایک مشترک خطرہ سمجھتے ہیں اور اس خطرہ سے نمٹنے کے لیے باہم ایک دوسرے کے دوست اور معاون ہیں، اس لیے مسلمانوں کا رویہ ان کے ساتھ انفرادی بنیاد پر نہیں بلکہ جماعتی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ جس طرح وہ مسلمانوں کے خلاف بحیثیت جماعت ملتِ واحدہ ہیں اسی طرح مسلمان ان کے مقابل میں ملتِ واحدہ بنیں۔ ملت سے الگ ہو کر مسلمانوں کا کوئی گروہ ان کے کسی گروہ کے ساتھ اپنے ذاتی اغراض و مصالح یا ذاتی تعلقات و مراسم کی بنا پر اعتماد و دوستی کا ربط و ضبط نہ بڑھائے۔

'وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ' یعنی جو جماعت سے الگ ہو کر ان کو اپنا دوست اور معتمد بنائے گا، اس کا شمار انہی میں ہوگا، اس کا دعوائے اسلام بالکل بے حقیقت ہو کر رہ جائے گا۔

'اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ' ہدایت سے یہاں مراد، جیسا کہ دوسرے مقام میں ہم واضح کر چکے ہیں، منزلِ مقصود کی طرف ہدایت ہے اور 'ظالمین' سے مراد اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔ یعنی جو لوگ اسلام اور اہلِ ایمان کے مقابل میں ایمان و اسلام کے دشمنوں کو اپنا دوست و معتمد بنائیں گے وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں اور ایسے لوگ راہ یاب نہیں ہوں گے اس لیے کہ انھوں نے

'سَوَآءَ السَّبِيْلِ' پر چلنے والے قافلے کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ (۵۲-۵۳)

منافقین کے دل کا چور

'فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ' 'ف' یہاں تفصیل کے لیے ہے اور خطاب، عام مسلمانوں سے ہے۔ اوپر کی آیت میں جو بات اجمال کے ساتھ فرمائی گئی تھی اور پردے میں تھی اب پردہ اٹھا کر اس کی تفصیل فرمائی جا رہی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو ان سے پینگیں بڑھا رہے ہیں، ان کا مدعا کیا ہے اور بالآخر ان کا انجام کیا ہونا ہے۔ فرمایا کہ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ ان کے ساتھ دوستی گانٹھنے کے لیے بے قرار ہیں۔ 'مرض' کے لفظ پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بحث گزر چکی ہے۔ یہاں اس سے مراد قرینہ دلیل ہے کہ نفاق ہے۔ نفاق کے لیے مرض کا لفظ استعمال کر کے قرآن نے یہ واضح فرما دیا کہ ان لوگوں کی یہ حرکت دل کی بیماری اور اس کے فساد کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ یہ اس کو اپنی بڑی دانش مندی اور دور اندیشی سمجھتے ہیں۔

'يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ' 'قول' کا لفظ جی میں کوئی بات کہنے کے لیے بھی قرآن میں متعدد مقامات میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن نے آگے اس کو کھول بھی دیا ہے اس لیے کہ فرمایا ہے 'فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ'، (یعنی وہ جو کچھ اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر نادم ہوں گے) ظاہر ہے کہ یہ اشارہ اسی بات کی طرف ہے جس کا ذکر 'نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ 'دائرۃ' کے معنی گردش، آفت اور مصیبت کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کے دل میں یہ ڈر سمایا ہوا ہے کہ اس وقت مسلمانوں اور ان کے مخالفین میں جو کشمکش برپا ہے معلوم نہیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے، ہو سکتا ہے کہ بالآخر فتح مخالفین ہی کی ہو۔ ایسی صورت میں اگر ہم مسلمانوں ہی کے ہو کے رہ گئے تو سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ دونوں سے راہ و رسم باقی رکھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ جس زمانے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں، اس زمانے تک جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں، مسلمان اگرچہ ایک سیاسی طاقت بن چکے تھے لیکن ابھی ان کو مکمل اقتدار حاصل نہیں ہوا تھا، اپنے اپنے دائروں میں یہود اور قریش بھی با اقتدار تھے، اگرچہ یہ اقتدار رو بہ زوال تھا لیکن منافقین کا قلبی رشتہ چونکہ ان مخالف اسلام طاقتوں ہی کے ساتھ تھا اس وجہ سے وہ آسانی کے ساتھ یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ اسلام کے مقابل میں اب ان کے ٹک سکنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔

'فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ' 'عَسٰى'، اگرچہ اصلاً امکان غالب اور ظن غالب ہی کے اظہار کے لیے آتا ہے لیکن موقع دلیل ہو تو، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اشارہ کر چکے ہیں، یہ وعدے کی تعبیر کے لیے بھی ایک لطیف اسلوب ہے۔ یہاں یہ اسی

مفہوم یہ ہے۔ 'بالفتح' سے مراد وہ آخری اور مکمل فتح ہے، جس کے بعد دشمن کی قوت بالکلیہ ختم ہو جائے 'اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ' سے ایسی کوئی صورت مراد ہے جس سے منافقین کا سارا بھانڈا پھوٹ جائے اور ان کے لیے کہیں منہ چھپانے کی جگہ باقی نہ رہ جائے۔ سورۂ توبہ میں اس کی ایک شکل یہ بیان ہوئی ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۶۴۔ توبہ (منافقین ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے باب میں کوئی ایسی سورہ نہ نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کے سارے راز ان پر آشکارا کر دے، کہہ دو، مذاق کر لو، اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس کا تم اندیشہ رکھتے ہو)

فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ۔ میں ان کے اسی خیال کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر گزرا کہ یہ اسلام کی طرف یکسو ہو جانے میں اپنے مستقبل کی طرف سے اندیشہ ناک ہیں کہ اگر فتح یہود اور مشرکین کی ہوئی تو یہ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

'وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الایۃ' یہ مسلمانوں کی طرف سے ان منافقین کے حال پر اس وقت کا اظہار تعجب نقل ہوا ہے جب ان کا سارا راز فاش ہو جائے گا، اس وقت مسلمان آپس میں کہیں گے، ارے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے زور و شور سے قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں! مقصود اس صورت حال کی تصویر سے منافقین کو جھنجھوڑنا ہے کہ کب تک چھپنے اور چھپانے کی کوشش کرو گے، بالآخر ایک دن برسر عام رسوائی ہونی ہے۔

'حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ'۔ مسلمانوں کے قول کا ایک حصہ بھی ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان منافقین کے انجام کا بیان بھی۔ ہمارا رجحان اس دوسرے پہلو کی طرف ہے 'حبط عمل' کی حقیقت پر ہم دوسری جگہ بحث کر چکے ہیں۔ اعمال کے مثمر ہونے کا انحصار تمام تر ایمان و اخلاص پر ہے۔ نفاق کے ساتھ دینداری کی جو نمائش کی جاتی ہے وہ محض نمائش ہوتی ہے، حقیقت کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۵۴)

منافقین کی مدعیانہ ارتداد کی روش ہے

خطاب بظاہر عام مسلمانوں سے ہے لیکن روئے سخن ان منافقین ہی کی طرف ہے جن کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ اپنے دین کی خدمت کے لیے ایسے ایسے لوگوں کو کھڑا کرے گا جو ...... اس سے یہ حقیقت آپ سے آپ ظاہر ہو گئی کہ ان کی یہ روش دین سے ارتداد کی روش ہے سا گو اس تنبیہ کے بعد بھی اس سے باز نہیں آنا چاہتے تو جائیں مرتد ہو جائیں، خدا کو ان کی کوئی پروا نہیں۔ اس طرح کے جملوں میں عربیت کے عام قاعدے کے مطابق جواب شرط محذوف ہوتا ہے جو سیاق کلام

سے واضح ہوتا ہے۔ ہم نے ترجمے میں اس محذوف کو کھول دیا ہے۔

منافقین کے سامنے ایک آئینہ — دین کے علم برداروں کی پسندیدہ صفات

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ان صفات کے بیان سے مقصود ایک تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں اپنے دین کا گواہ اور علم بردار بنا کر کھڑا کرتا ہے ان کی صفات کیا ہوتی ہیں یا کیا ہونی چاہئیں۔ دوسرا یہ کہ یہ منافقین ان صفات کے بالکل برعکس صفات کے حامل ہیں۔ گویا براہ راست ان کے عیوب گنانے کے بجائے ان کے سامنے ایک ایسا آئینہ رکھ دیا گیا ہے جس میں وہ اپنے سارے عیوب خود دیکھ سکتے ہیں۔ یہ اظہارِ حقیقت کا ایک نہایت بلیغ اسلوب ہے جو قرآن میں بہت استعمال ہوا ہے۔

يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (ان سے خدا محبت کرے گا اور وہ خدا سے محبت کریں گے) اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ ان منافقین سے نہ خدا محبت کرتا نہ یہ خدا سے محبت کرتے بلکہ خدا ان سے نفرت کرتا ہے اور یہ خدا سے بیزار و بے پروا ہیں۔ خدا کی محبت کسی کے نام و نسب، شکل و صورت اور مال و جاہ سے نہیں بلکہ ایمان و عمل اور اخلاق و کردار سے ہوتی ہے۔ جب اس اعتبار سے یہ نہ صرف صفر بلکہ خدا کی پسندیدہ صفات کے بالکل برعکس صفات سے متصف ہیں تو یہ خدا کی محبت کے حقدار کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح خدا سے محبت کی شہادت یہ ہے کہ یہ خدا کے احکام و ہدایات اور اس کے نبی کے طریقہ اور فیصلے کے پابند ہوں لیکن جب یہ اللہ کے فیصلہ کو چھوڑ کر جاہلیت کے فیصلے کے طالب اور اللہ و رسولؐ اور اہلِ ایمان کو دوست بنانے کے بجائے اللہ و رسولؐ کے مخالفین یہود و نصاریٰ اور کفار سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں تو خدا سے بیزار ہونے کی اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ پر آل عمران آیت ۳۱ 'اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ' کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ، اَذِلَّة ، 'ذَلِيْل' کی جمع ہے۔ عربی میں یہ لفظ، جیسا کہ آل عمران کی آیت ۱۲۳ کے تحت ہم بتا چکے ہیں، اچھے اور برے دونوں معنوں میں آتا ہے۔ جب یہ اچھے معنوں میں آتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی نرم خو، نرم مزاج، فرمانبردار، متواضع اور سہل الانقیاد کے ہوتے ہیں۔ 'ذَلُول' کا لفظ بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ فرمانبردار اونٹنی کو ناقۂ ذلول کہتے ہیں۔

اَعِزَّة 'عزیز' کی جمع ہے۔ یہ لفظ بالکل 'ذلیل' کے مقابل لفظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے معنی ہیں سخت، مشکل، بھاری، ناقابلِ شکست، ناقابلِ عبور، عسیر الانقیاد۔ اگر کسی چیز کے متعلق کہیں کہ هُوَ عَزِيْزٌ عَلَيَّ تو اس کے معنی ہوں گے کہ وہ چیز مجھ پر بھاری اور مشکل ہے۔ اس کو رام کرنا اور قابو میں کرنا میرے لیے دشوار ہے۔ یہی مفہوم 'شَدِيْدٌ عَلَيَّ' کا بھی ہوتا ہے کسی حماسی کا نہایت عمدہ شعر ہے۔

اذا المرء اعيته المروة ناشئا — فمطلبها كهلاً عليه شديد

اگر الٹھتی جوانی میں اولوالعزمی پیدا کرنے سے آدمی قاصر رہ جاتا ہے تو ادھیڑپن میں اس کا حاصل

کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے تو وہ نہایت نرم خو، بھولے بھالے اور ہر پہلو سے لچک قبول کرنے والے اور ہر سانچے میں ڈھل جانے والے ہوں گے لیکن کافروں کے لیے وہ پتھر کی چٹان ہوں گے۔ وہ اگر اپنے اغراض و مقاصد کے لیے ان کو استعمال کرنا چاہیں گے تو کہیں سے انگلی دھنسانے کی جگہ نہ پا سکیں گے۔ مسلمانوں کی یہی تعریف ایک حدیث میں بھی وارد ہے۔ المومن غر کریم مومن اپنے دوسرے بھائی کے لیے بھولا بھالا اور شریف و کریم ہوتا ہے۔ سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ کبوتر کے مانند بے آزار اور سانپ کے مانند ہوشیار بنو، اس میں بھی یہی دونوں پہلو ملحوظ ہیں۔

ان صفات کے بیان سے بھی مقصود، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، منافقین کے کردار پر عکس ڈالنا ہے جو بالکل اس کے برعکس واقع ہوا تھا یعنی وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے تو بڑے ہوشیار اور گھاگ تھے، مٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے تھے لیکن یہود اور مشرکین کے ہاتھوں میں موم کی ناک اور کٹھ پتلی تھے، وہ جس طرف چاہتے ان کو موڑتے اور جس طرح چاہتے ان کو نچاتے۔ اس مضمون پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورۂ فتح کی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابل میں سخت اور آپس میں مہربان و نرم دل ہیں) کے تحت آئے گی۔

'يُجَاهِدُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ' جہاد سے مطلب یہاں صرف قتال ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ جدوجہد ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے کی جائے۔ اس میدان میں اترنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام دوسرے مفادات اور دوسری دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اور دوسروں کی نصیحتوں اور ملامتوں سے کان بالکل بند کر کے اترے۔ جو شخص ہر گام پر پیچھے مڑ مڑ کے بھی دیکھے گا اور اپنے ناصحوں اور ملامت گروں کی نصیحتوں اور ملامتوں کو بھی اہمیت دے گا وہ اگر ایک قدم آگے بڑھائے گا تو دو قدم پیچھے ہٹائے گا۔ عرب شعراء جب اولوالعزمی، بہادری اور فیاضی کا مضمون باندھتے ہیں تو اس کی تمہید میں ملامت کرنے والیوں کی ملامت کا ذکر ضرور کرتے ہیں اس لیے کہ اس راہ کی یہ سب سے پرانی اور ناگزیر آفت ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ آدمی کوئی عزم و جزم کا کام کرنے اٹھے اور دہنے بائیں سے کچھ ناصح اور کچھ ملامت گر دامن گیر نہ ہو جائیں۔ یہ اس راہ کی پہلی آزمائش ہوتی ہے اگر کوئی آدمی دامن جھٹک کے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو تو اکثر وہ اس پہلے ہی مرحلے میں مار کھا جاتا ہے۔

اس صفت کے بیان کرنے سے بھی مقصود منافقین کے کردار پر عکس ڈالنا ہے کہ مدعی تو یہ بنے ہیں ایمان کے اور قدم رکھا ہے انھوں نے عشق کے کوچے میں لیکن پیچھے کے مفادات بھی دامن گیر ہیں۔ مستقبل کے خطرات سے بھی ہوش اڑے جا رہے ہیں اور پوری فراخدلی اور نیازمندی کے ساتھ ان ہمدردوں اور

ملامت گروں کی نصیحتوں کا احترام بھی انھیں ملحوظ ہے جن کے پھندوں میں گرو شیطان نے لگائی ہے اور جن سے بچ کے نکل جانا بڑے ہی صاحبِ توفیق کا کام ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ یعنی اللہ کا اصل فضل یہ ہے جس کے سزاوار وہ بنتے ہیں جن کو وہ چاہتا ہے۔ 'جن کو وہ چاہتا ہے' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی سنت کے مطابق اس کے اہل ٹھہرتے ہیں۔ یہ بات ہم ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ خدا کی مشیت اس کی کامل قدرت اور اس کے کامل علم و حکمت کے ساتھ ہے اور جہاں مشیت کامل قدرت اور کامل علم و حکمت کے ساتھ ہو وہاں کسی حق تلفی و ناانصافی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ مشیت کے بیان کے ساتھ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کی صفات کا حوالہ دینے سے مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر اس وقت مسلمانوں کے اندر ان صفات کے حامل بھی تو موجود تھے بلکہ اکثریت ان صفات کے حاملین ہی کی تھی تو قرآن نے یہ کیوں کہا کہ خدا ایسے لوگوں کو لائے گا؟ ان لوگوں کا حوالہ کیوں نہ دیا جو موجود تھے اور ان صفات کے بہترین حامل تھے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں خطاب اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے عام ہے لیکن روئے سخن اصلاً منافقین ہی کی طرف ہے۔ ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مرتد ہو گئے تو خدا کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، خدا تمھاری جگہ اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کرے گا جو ایمان کے تقاضے پورے کرنے کے لیے تمام اعلیٰ صفات سے متصف ہوں گے۔ گویا یہ فرما کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین مخلصین کے اس غم کو دور کیا گیا ہے جس کا ذکر اوپر لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ والی آیت میں ہوا ہے کہ پیغمبر اور اہل ایمان ان منافقین کی کفر دوستی سے غمگین نہ ہوں، اگر یہ نکل گئے تو ان کے نکل جانے سے اللہ کے دین کا کچھ نہیں بگڑے گا، ان کی جگہ اللہ اپنے دین کی خدمت کے لیے دوسری تازہ دم فوج لے آئے گا جو ان تمام کمزوریوں اور بیماریوں سے پاک ہوگی جو ان کے اندر موجود ہیں۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۵۵-۵۶)

آیت ۵۱ میں جو بات منفی اسلوب سے فرمائی گئی تھی وہی بات اب مثبت پہلو سے کہی جا رہی ہے یعنی یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور معتمد نہ بناؤ بلکہ اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست اور معتمد بناؤ۔ تمھارا ایمان (اگر وہ موجود ہے) تم کو ان سے جوڑتا ہے نہ کہ اُن سے۔ 'وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا' یہاں اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ یعنی مومنین مخلصین۔

ایمان کی عملی تعبیر نماز اور زکوٰۃ ہے

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ، یہ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے بدل ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ایمان کی عملی تعبیر اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ عطف کے بجائے بدلیت

کے اسلوب سے اس کو تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حکمت شریعت کے پہلو سے ایمان اور نماز و زکوٰۃ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ دونوں بالکل لازم و ملزوم ہیں۔ جہاں ایمان موجود ہے نماز اور زکوٰۃ لازماً موجود ہوں گی۔ اگر یہ غائب ہیں تو یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ایمان بھی غائب ہے۔ اگر اس کا دعویٰ ہے تو یہ محض دعویٰ ہے جس کا حقیقت کی میزان میں کوئی وزن نہیں ہے۔

نماز اور زکوٰۃ کی اصل روح

وَهُمْ رٰكِعُوْنَ، 'رکوع' یہاں اپنے اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اپنے عام لغوی مفہوم میں ہے۔ رَکَعَ الرجل کے معنی ہوتے ہیں افتقر وانحطت حالہ اس وجہ سے فروتنی، افتقار، نیازمندی، عاجزی اور دل شکستگی اس لفظ کی اصل روح ہے۔ نماز میں رکوع، درحقیقت آدمی کے دل کی اسی حالت کی تعبیر کی ایک عملی شکل ہے۔ یہاں اس قید کے لگانے سے مقصود نماز اور زکوٰۃ کی اصل روح کی طرف اشارہ کرنا ہے اس لیے کہ جس طرح نماز اور زکوٰۃ کے بغیر ایمان بے معنی اور بے روح ہو کے رہ جاتا ہے اسی طرح دل کی فروتنی اور خستگی کے بغیر نماز اور زکوٰۃ بالکل بے مقصد ہو کے رہ جاتے ہیں۔ اسلام کے دور اوّل میں منافقین کو نماز بھی پڑھنی پڑتی تھی اور زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوتی تھی۔ اس کے بغیر اس عہد مبارک میں کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرا ہی نہیں سکتا تھا لیکن سورۂ نساء میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ ان کی نمازیں مارے باندھے کی ہوتی تھیں، قرآن میں ان کے لیے 'کسالیٰ' کا لفظ آیا ہے، اسی طرح ان کا انفاق محض نمائش کے لیے ہوتا تھا۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ کی قید نے یہ واضح کیا کہ دین میں جو نماز و زکوٰۃ مطلوب ہے وہ دل کی خستگی اور فروتنی کے ساتھ مطلوب ہے، ریا، تکبر اور کراہت کے ساتھ نہیں۔

'حزب اللہ' سے مراد

'وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ' میں ایجاز کلام کے تقاضے سے ایک ٹکڑا محذوف ہے۔ پوری بات گویا یوں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست بناتے ہیں وہ اللہ کی جماعت میں اور اللہ ہی کی جماعت ہے جو غالب ہونے والی ہے۔ چونکہ آخر کا ٹکڑا خود محذوف پر دلیل تھا اس وجہ سے پہلے کو حذف کر دیا۔ اوپر فرمایا تھا کہ جو لوگ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنا رہے ہیں وہ ایک دن اپنے کیے پر پچھتائیں گے، ان کے اعمال ڈھے جائیں گے، وہ نامراد ہوں گے۔ اب یہ اللہ و رسول اور اہل ایمان کو دوست بنانے والوں کے روشن انجام کو واضح فرما دیا اور ان کو 'حزب اللہ' کے لقب سے ملقب کر کے یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ یہ منافقین جو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنا رہے ہیں یہ حزب الشیطان ہیں اور شیطان کا کید چونکہ ضعیف اور بودا ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی ناکامی و نامرادی ان کی تعبیر ہی کے اندر مضمر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (۵۷-۵۸)

دین کا مذاق اڑانے والوں سے دوستی غیرت و حمیت کے خلاف ہے

اب یہ ان کے جذبۂ غیرت و حمیت کو ابھارا ہے کہ جو اہلِ کتاب اور کفار تمہارے دین کا مذاق اڑاتے اور تمہارے شعائرِ دین کو کھیل تماشہ بناتے ہیں حیف ہے اگر تم ان کو اپنا دوست بناؤ۔ انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کی طرف منسوب ہو یا جس کی طرف وہ منسوب ہو اس کی توہین و تذلیل وہ برداشت نہیں کرتا۔ اگر کوئی اس کو گوارا کر لے تو یہ اس کی بے حمیتی کی دلیل ہے۔ عرب کے لوگ اس معاملے میں بڑے حساس تھے۔ دین تو بڑی چیز ہے وہ اپنے خاندان یا اس کے کسی فرد کی توہین و تذلیل پر بھی آگ بگولہ ہو جاتے اور تلواریں سونت لیتے۔ اس انسانی فطرت کے پہلو سے قرآن نے ان کو ملامت کی ہے کہ جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں آخر کس دل و جگر سے تم ان کو دوست بناتے ہو۔ پھر اس کے بعد نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو، یعنی اگر تم سچ مچ ایمان کا دعویٰ رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو کہ اس بے حمیتی پر تمہارا ایمان نہ سلب ہو جائے اور خدا کا غضب نہ نازل ہو جائے۔

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ الآیۃ یہ ذکر ہے اس چیز کا جس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ اشارہ اذان کی طرف ہے۔ یہودی اشرار جس طرح مجلسِ نبوی میں مختلف قسم کی بدتمیزیاں کرتے تھے جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اسی طرح ان کے اراذل و اشرار اذان کی بھی بھونڈے طریقے پر نقلیں کرتے اور اس پر ہنستے ہنساتے۔ اذان، اللہ کی بندگی کی دعوت ہے۔ اس کا مذاق اڑانا بالخصوص ان لوگوں کی طرف سے جو کتابِ الٰہی کے حامل بنائے گئے ہوں، خود خدا کی تحقیر اور اس کا مذاق اڑانے کے ہم معنی ہے۔ ایسے لوگ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی مسلمان ان سے دوستی رکھے، اگر کوئی شخص ان سے دوستی رکھتا ہے اور ایمان کا مدعی بھی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غیرتِ ایمانی سے خالی ہے اور غیرتِ ایمانی سے خالی شخص اپنے ایمان کی کبھی حفاظت نہ کر سکے گا۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ نیکی اور بھلائی کا احترام انسان کے ذی عقل ہستی ہونے کا تقاضا ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے محروم ہے تو وہ صرف دینداری ہی سے محروم نہیں ہے بلکہ عقل سے بھی محروم ہے۔

اذان شعائر الٰہی میں سے ہے

اس آیت سے اذان کے عظیم شعائر الٰہی میں سے ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اذان کا آغاز ملت میں کس طرح ہوا؟ اس سوال کے جواب میں، بربنائے اختلافِ روایات، اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ جس شکل میں وہ موجود ہے اس کو امت کے تواترِ قولی و عملی کے ساتھ اللہ اور اس کی کتاب کی تصدیق و تصویب بھی حاصل ہے۔ اس وجہ سے اس کو کسی اور شکل میں بدلنے کی کوشش دین میں ایک بہت بڑی جسارت ہے۔ شعائر کا معاملہ دین میں بڑا اہم ہے۔ بقرہ کی تفسیر میں ہم اس پر بحث کر چکے ہیں۔ خاص اذان کے مسئلہ پر انشاء اللہ

سورۂ جمعہ کی تفسیر میں ہم مزید بحث کریں گے۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ۝ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ ٱلطَّٰغُوتَ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ (۵۹-۶۰)

'نقم' کے معنی انتقام لینے، بدلہ لینے اور کسی پر غصہ نکالنے کے ہیں۔

یہود کی ناز خائی

اوپر یہود کی جو شرارت بیان ہوئی ہے اس کے تعلق سے اب کلام کا رخ یہود کی طرف مڑ گیا۔ ان کو مسلمانوں کی طرف سے کہلایا جا رہا ہے کہ ہمارے ساتھ تمہاری اس ساری دشمنی اور ناز خائی کی علت اس کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ہماری نیکی تمہارے نزدیک بدی بن گئی ہے۔ آخر ہمارا کیا جرم ہے؛ یہی نا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اس کتاب پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی اور ان کتابوں پر بھی ایمان لائے جو پہلے اتاری گئیں، برعکس اس کے تمہارا حال یہ ہے کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں، نہ اس کتاب ہی پر ایمان رکھتے ہو جو تمہاری طرف اتاری گئی اور نہ اس کتاب ہی پر ایمان لانے کے لیے تیار ہو جو ہم کو عطا ہوئی! فرمایا کہ ان سے کہو کہ تمہارے نزدیک تو اس دنیا میں ہم سب سے برے ہیں اور اس کے سبب سے تم ہمارے درپئے آزار و انتقام ہو لیکن کچھ پتہ ہے کہ آخرت میں اللہ کے نزدیک اپنے انجام کے لحاظ سے سب سے برا کون ہے؟ یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اللہ کا غضب ہوا اور جن کے اندر سے اس نے بندر اور خنزیر بنائے اور جنھوں نے طاغوت کی پرستش کی ۔ یہ ٹھکانے کے لحاظ سے سب سے برے اور شاہراہِ حق سے بعید تر ہیں۔

'مَن لَّعَنَهُ اللّٰهُ' میں ہمارے نزدیک مضاف محذوف ہے جس طرح 'وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ' میں ہے۔ یعنی مَثُوبَةُ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ ۔

انسان کے لباس میں بندر اور سؤر

'اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ' اصحاب السبت کی لعنت کے سلسلہ میں 'قِرَدَةً' پر بحث گزر چکی ہے۔ انسان کی خواہش اور اس کے عمل کے درمیان سے جب عقل و ارادہ کی کڑی غائب ہو جائے اور وہ یکسر اپنی خواہشوں کا غلام بن کے رہ جائے تو پھر اس کے اور حیوانات کے درمیان کوئی جوہری فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ چیز اس کے باطن کو بالکل مسخ کر دیتی ہے اور باطن کے مسخ ہو جانے کے بعد ظاہر بھی بالتدریج مسخ ہو کے رہتا ہے۔ جو نگاہیں حقیقت بین ہوتی ہیں وہ سیرت کا عکس صورت میں بھی دیکھ لیتی ہیں، اگرچہ اس کو غازہ اور پوڈر سے کتنا ہی چھپانے کی کوشش کی جائے۔ انسان اپنی مادی خلقت کے اعتبار سے گوشت پوست سے بنا ہوا ایک حیوان ہی ہے۔ بعض حیوان دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، بعض چار پر، انسان کو انسانیت کا جمال اس شعلۂ نورانی سے حاصل ہوتا ہے جس کو قرآن نے 'نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ' سے تعبیر کیا ہے۔ اگر یہ شعلۂ یزدانی بجھ جائے تو پھر انسان کو بھی دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جانور سمجھیے

جو اپنی سرشت کے اعتبار سے بندر اور خنزیر بھی ہو سکتا ہے، کتا اور گدھا بھی۔ چنانچہ یہود کی مثال قرآن میں کتے اور گدھے سے بھی دی گئی ہے۔ اس معاملے میں نگاہ اور نگاہ کے درمیان بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ جن نگاہوں کی رسائی صرف صورت اور لباس ہی تک ہے ان کے لیے آدمی اور غیر آدمی میں فرق کرنا ناممکن ہے لیکن جو نگاہیں باطن میں گھسنے کی عادی ہیں وہ بادنیٰ تامل اندازہ کر لیتی ہیں کہ فلاں صورت کے اندر بندر چھپا ہوا ہے یا خنزیر، کتا چھپا ہوا ہے یا گدھا۔ انبیاء اور عارفین کے ملکوتی مشاہدات میں ایسی بہت سی چیزیں ملتی ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم بعض مثالیں یہاں پیش کرتے۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ کا عطف اوپر مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ الایۃ پر ہے اور یہ اشارہ ہم کر چکے ہیں کہ 'مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ' کا مضاف محذوف ہے یعنی مَثُوبَةَ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ اس وجہ سے یہاں بھی مضاف محذوف ہوگا یعنی مثوبۃ من عبد الطاغوت مطلب یہ ہوگا کہ جنھوں نے طاغوت کی پرستش کی وہ اپنے انجام کے لحاظ سے بدتر ہوں گے۔ یہاں سزا کے بجائے مجرم کا ذکر اس کی خاص اہمیت کی وجہ سے ہے فرمایا کہ جنھوں نے اہل کتاب ہو کر طاغوت کی پرستش کی ہے وہ اپنے انجام کی فکر کریں، ہم پر دانت پیسنے سے کیا حاصل۔

'أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ' اس میں پہلا ٹکڑا آخرت میں ان کے انجام کو ظاہر کر رہا ہے اور دوسرا ٹکڑا اس دنیا میں ان کی روش کو۔ گویا دوسرا ٹکڑا پہلے ٹکڑے کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ دین کی شاہراہ سے بعید تر ہیں اس وجہ سے انجام کے اعتبار سے بدتر ٹھہریں گے۔ 'سَوَاء' کے لفظ پر ہم دوسری جگہ بحث کر چکے ہیں۔ اس کے معنی کسی شے کے وسط کے آتے ہیں۔ 'سبیل' سے مراد وہ صراط مستقیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے کھولی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اصل شاہراہ کو چھوڑ کر اس سے بہت دور ہٹ گئے ہیں۔

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۝ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (۶۱-۶۳)

یہود کا ایک مخصوص گروہ

ان آیات کے تمام مشکل الفاظ پیچھے زیر بحث آ چکے ہیں۔ یہ بھی یہود ہی کا ذکر ہے لیکن یہ یہود کا وہ گروہ ہے جس کا ذکر بقرہ کی آیات ۷۶-۸۰ میں ہوا ہے۔ وہاں ہم تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ یہود میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی تھا جو مسلمانوں کی مجالس میں آتے تو کہتے کہ مومن تو ہم بھی ہیں، خدا اور رسول اور خدا کی کتاب پر ہمارا بھی ایمان ہے، پھر مسلمان ہمیں مومن کیوں نہیں تسلیم کرتے۔ یہ بات وہ اس ذہنی تحفظ کے ساتھ کہتے کہ اگر ہم محمد اور ان کی پیش کردہ کتاب کو نہیں مانتے تو اس سے کیا فرق پیدا ہوتا ہے۔ آخر ہمارے

پیغمبر اور ہماری کتاب بھی تو خدا ہی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ عام مسلمان ان کی اس طرح کی باتوں سے دھوکے کھا پڑتے اور ان سے ایک قسم کے حسنِ ظن میں مبتلا ہو جاتے چنانچہ اسی بنا پر قرآن نے ان کی اس بات، کو 'مخادعت' سے تعبیر کیا ہے۔ جب ان سے یہ کہا جاتا کہ اگر مومن ہو تو سیدھے سیدھے مسلمانوں کی طرح کیوں ایمان نہیں لاتے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا اقرار کیوں نہیں کرتے تو اس پر برہم ہو جاتے اور کہتے ہم بیوقوفوں کی طرح کی حرکت نہیں کرتے ہم ملک میں صلح وامن چاہتے ہیں اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ مسلمان اگر کسی کو پیغمبر ماننا چاہتے ہیں تو مانیں لیکن ہمارے لیے اس کا ماننا ضروری نہ قرار دیں۔ اس کو مانے بغیر ہمارا دینی مقام ومرتبہ تسلیم کریں۔ اگر مسلمان اپنے سوا سب کو کافر قرار دیں گے تو اس سے ملک میں فساد برپا ہوگا جس میں سب کا نقصان ہے۔ بقرہ کی مذکورہ بالا آیات کے تحت ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اشتراکِ ایمان کا یہ وہی نظریہ ہے جو وحدتِ ادیان کے عنوان سے تقسیم ہند سے پہلے ہمارے ملک میں بھی پیش ہو چکا ہے اور اب بھی وقتاً فوقتاً اس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی رہتی ہے۔ زیر بحث آیات میں یہود کے اسی گروہ کا ذکر ہے۔ فرمایا کہ جب یہ تمہاری مجالس میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں، حالانکہ جس کفر کے ساتھ وہ آتے ہیں اسی کفر کے ساتھ وہ واپس جاتے ہیں، ایمان نہ داخل ہوتے وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے نہ نکلتے وقت، بس تمہارے سامنے دعویٰ کر کے تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ دلوں میں ان کے جو کچھ ہے وہ اللہ کو خوب معلوم ہے۔ بقرہ کی محولہ بالا آیات میں قرآن نے ان کے دلوں کے اس بھید کو کھول بھی دیا ہے۔ اس وجہ سے ہماری تفسیر کی روشنی میں ان آیات پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

یہود کے دعوائے ایمان کی پردہ دری

وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ الایۃ یہ قرآن نے ان کے دعوائے ایمان کی قلعی کھولی ہے کہ ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ رات دن ان کی بھاگ دوڑ حق تلفی، تعدی اور حرام خوری کی راہ میں ہے۔ یہاں 'یسارعون' کا لفظ خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کا ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ایمان کے ساتھ کسی ظلم وزیادتی کا صادر ہو جانا یا کسی حرام سے آلودہ ہو جانا تو بعید نہیں ہے لیکن حرام خوری ہی کسی کا اوڑھنا بچھونا بن جائے اور اس کی ہر وقت کی تگ و دو ظلم وزیادتی ہی کی راہ میں ہو تو بہت ہی برا عمل ہے یہ جو ایمان کے دعوے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس بات کو دوسرے مقام میں یوں بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر ان کا ایمان انھی باتوں کا حکم دے رہا ہے تو بہت ہی بری باتوں کا حکم دے رہا ہے۔

یہود کے علماء اور فقہاء کو سرزنش

لَوۡلَا یَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ الایۃ' یہ ان کے علماء اور فقہاء کو سرزنش ہے کہ آخر وہ ان برائیوں اور حرام خوریوں سے ان کو روکتے کیوں نہیں؟ اس سے علماء کے فریضۂ منصبی کی وضاحت بھی ہو رہی ہے اور یہود کی سوسائٹی اس وقت زوال کی جس آخری حد کو پہنچ چکی تھی اس پر بھی روشنی پڑ رہی ہے۔ جب مریض مرض کے آخری مرحلے میں داخل ہو جائے اور طبیب مرض ہی کو شفا سمجھنے لگ جائیں تو اس مریض کی ہلاکت میں کیا شبہ رہا؟ 'قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ' سے مراد وہ گناہ کی باتیں بھی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر